پنجاب کی سب سے بڑی لوک داستان

ہیر رانجھا

پرانی کہانی نئے ڈائیلاگ کے ساتھ

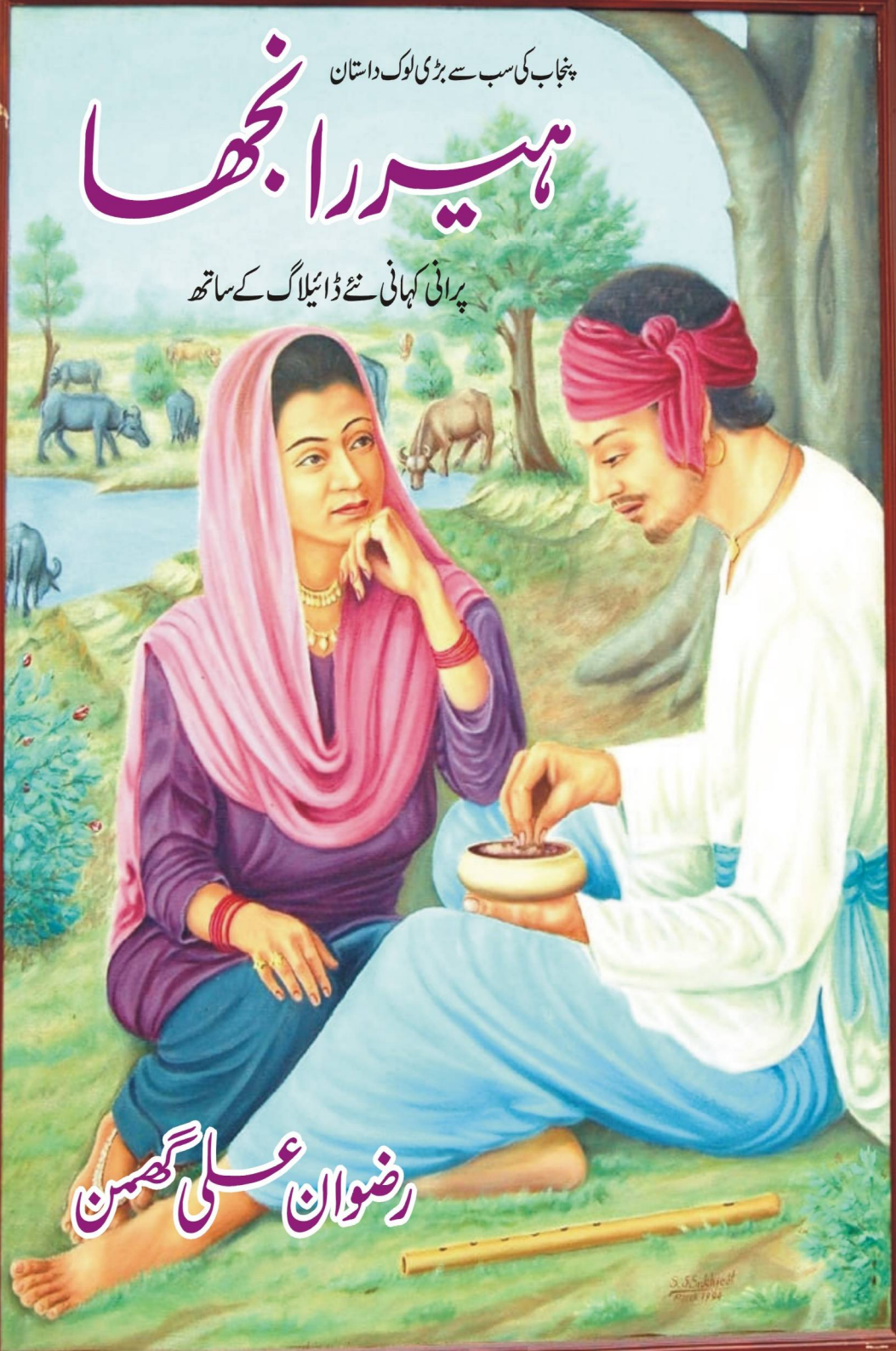

رضوان علی گھمن

پنجاب کی سب سے بڑی لوک داستان

ہیر رانجھا

پرانی کہانی نئے ڈائیلاگ کے ساتھ

رضوان علی گھمن

Whatsapp: *0049-152-11229099*

Facebook: Rizwan Ali Ghuman

میرا ہمسفر میری زندگی ناول سے انتخاب

پیش لفظ

ہیر رانجھا پنجابی ادب کی سب سے بڑی داستان ہے۔ اسے وارث شاہ نے اٹھارہویں صدی میں لکھا تھا۔ ہیر رانجھے کی رومانوی داستان پچھلے اڑھائی سو سال سے ہندوستان اور پاکستان کی سب سے بڑی لوک داستان ہے۔ اس داستان پر پاکستان اور انڈیا میں سینکڑوں فلمیں، ڈرامے اور سٹیج پروگرام بنائے گئے۔ آج بھی اس خطے کا ہر شاعر یا مصنف کسی نہ کسی حوالے سے ہیر رانجھے کا ذکر ضرور کرتا ہے۔ زیرِ نظر کہانی اردو کے نئے ابھرتے ہوئے ناول نگار رضوان علی گھمن کی لکھی ہوئی ہے۔ امید ہے قارئین اسے بھی پزیرائی بخشیں گے۔ کہانی کے بارے میں اپنے تبصرات کے لئے مصنف سے براہِ راست رابطہ کریں۔

رضوان علی گھمن

''تید و۔۔۔ میرے بچے! تو بڑا نازک مزاج ہے، تو نے زندگی میں کبھی کوئی کام نہیں کیا ہے۔ مجھے اپنے چاروں بیٹوں میں سے تو سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔ اسی لیے میں نے تجھے زندگی کے سرد گرم سے بچا کر رکھا ہے۔ لیکن اب میرا آخری وقت آ گیا ہے۔ میں مرنے والا ہوں۔'' تید و رانجھے کا والد اس وقت بسترِ مرگ پر پڑا زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے چاروں بیٹے اس وقت اپنے باپ کے بستر کے پاس کھڑے تھے۔

دریائے چناب کے کنارے آباد اس خوبصورت سے گاؤں کا نام تخت ہزارہ تھا۔ جہاں ذات کا جاٹ رانجھا سارا دن جنگلوں اور بیابانوں میں ونجلی بجاتا گھومتا رہتا تھا۔ والد کے پاس گاؤں میں کافی زمین تھی جس پر اس کے 3 بڑے بھائی کاشتکاری کرتے تھے۔ رانجھا چونکہ سب سے چھوٹا تھا اس لیے وہ کام کرنے کی بجائے سارا دن گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ باپ کا سایہ سر پر تھا اس لئے اسے فکر معاش کی کوئی فکر نہیں تھی۔ تینوں بڑے بھائیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔

''ابا! تید و ہمارا چھوٹا بھائی ہے۔ یہ ہمیں بھی اتنا ہی عزیز ہے جتنا آپ کو۔۔۔ آپ تید و کی فکر مت کریں۔'' رانجھے کے بڑے بھائی نے اپنے باپ کے ساتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تینوں بڑے بھائیوں کو اپنے چھوٹے بھائی سے بڑی محبت تھی۔

''نہیں پتر و! چھوٹے بھائی تب تک ہی بھائی رہتے ہیں جب تک باپ کا سایہ سر پر ہوتا ہے۔ جب باپ مر جائے تو یہی بھائی شریک بن جاتے ہیں۔ مجھے تید و کی بڑی فکر ہو رہی ہے۔ میرے بعد اس کا کیا بنے گا؟'' چوہدری نے بے بسی سے اپنے چھوٹے بیٹے کی طرف دیکھا۔

وہ اس کی آخری نظر تھی، اس نے ایک ہلکی سی ہچکی لی اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ وہ اپنے چاروں بیٹوں کو روتا ہوا چھوڑ کر چلا گیا۔ باپ کا کہا ہوا ایک ایک لفظ بعد میں سچ ثابت ہوا۔ بھائیوں نے باپ کے مرنے کے بعد اس کا چالیسواں بھی پورا نہیں ہونے دیا اور انہوں نے زمین کے حصے کر لئے۔ ساری اچھی اور زرخیز زمین تو بھائیوں نے اپنے پاس رکھ لی جبکہ رانجھے کے حصے میں بنجر زمین ہی آئی۔ رانجھے نے اپنی زندگی میں کبھی کام نہیں کیا تھا۔ اس زمانے میں کھیتی باڑی بیلوں سے ہوتی تھی۔ رانجھے کے بھائیوں

نے اپنے حصے میں تو تگڑے تگڑے بیل اور بھینسیں رکھ لیں جبکہ رانجھے کے حصے میں ایک کمزور سا بیل ہی آیا تھا۔

صرف ایک ہفتے کی محنت نے ہی رانجھے کا بھرکس نکال کر رکھ دیا۔ اس کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے، اس کے پیروں میں بھی زخم آ گئے اور اس کے لیے ہلنا جلنا بھی بہت مشکل ہو گیا۔ رانجھا بیمار ہو کر بستر سے لگا تو بھابھیوں نے اس کی خدمت کرنے سے انکار کر دیا۔ رانجھا اپنے بیتے ہوئے ان سنہری دنوں کو یاد کر کے روتا رہتا جب اس کا باپ زندہ تھا تو یہی بھائی اور بھابھیاں اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ جب سر سے باپ کا سایہ اٹھا تو اب کوئی بھی اسے نہیں پوچھتا تھا۔ رانجھا اپنے بھائیوں سے بھابھیوں کی شکایت لگاتا لیکن بھائی بھی اب اس کی بات نہیں سنتے تھے۔

''تید و! اپنے کام اب خود کرنے کی عادت ڈالو، تمہارے لئے گھر میں کوئی ہیر نہیں بیٹھی ہوئی ہے جو تمہارے لیے روٹی بنائے اور تمہاری خدمت کرے۔'' بڑی بھابھی نے اس کے آگے سوکھی روٹی اور اچار رکھتے ہوئے کہا۔

''بھابی! تم مجھے ہیر کا طعنہ مت دو، میں ذات کا رانجھا ہوں اور ہیر کا خاندان کوئی میرے خاندان سے بڑا نہیں ہے۔'' رانجھے نے غصے سے کہا۔ وہ چارپائی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک نظر بھی روٹی پر نہیں ڈالی تھی۔

''اچھا! تم سے ہیر کا طعنہ برداشت نہیں ہوتا؟ تید و! تم ہیر سیالوں کی بات کرتے ہو، تم تو کسی بھی لڑکی کے قابل نہیں ہو۔ کوئی بھی لڑکی تم جیسے نکھٹو، کام چور اور کاہل آدمی کے ساتھ نہیں رہے گی۔'' اس بار سب سے چھوٹی بھابھی نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بھابھی! اگر تم مجھے ہیر کا طعنہ دے رہی ہو تو پھر یہ تید و رانجھا تجھے ہیر سیالوں کی ہی لا کر دکھائے گا۔'' رانجھے نے ٹھوس لہجے میں کہا اور گھر سے باہر کی طرف جانے لگا۔

''تید و! غصہ مت کر، یہ دنیا اس تخت ہزارے گاؤں سے باہر بڑی کٹھن ہے۔ یہ تمہارے جیسے نازک مزاج شہزادے کو راس نہیں آئے گی۔'' بڑے بھائی نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھائی! میں اب جھنگ کی ہیر سیال لے کر ہی آؤں گا۔ بھابھی نے طعنہ مارا ہے تو پھر میں بھی اسے ہیر لا کر دکھاؤں گا۔'' رانجھے نے اپنے بڑے بھائی سے بازو چھڑوایا اور گھر سے باہر آ گیا۔

وہ اپنے ساتھ واحد چیز ونجلی لایا تھا۔ اس نے جوشِ جذبات میں آ کر اپنے بھائیوں کو ہیر کا کہہ تو دیا تھا لیکن اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ دریائے چناب کے کنارے کنارے چلتا رہا۔ وہ سارا دن چناب کے کنارے کنارے ونجلی بجاتا آوارہ گردی کرتا رہتا۔ دریائے چناب کے کنارے کافی پھلدار درخت تھے۔ وہ درختوں کے پھل کھا لیتا اور دریا سے مچھلی بھی پکڑ کر اسے آگ پر بھون کر کھا لیتا۔ رانجھے کے دن ایسے ہی دریا کے کنارے کنارے گزرتے رہے۔ آخر کار پھرتے پھراتے ایک دن وہ ہیر کے گاؤں پہنچ گیا۔ ہیر کا گاؤں جھنگ میں دریائے چناب کے کنارے آباد تھا۔ گاؤں سے باہر ایک بہت بڑا جنگل تھا جو چناب کے کنارے کنارے کئی سو کلومیٹر تک پھیلا ہوا تھا۔ اسے مقامی زبان میں بیلا کہتے تھے۔ ہیر کے گاؤں کے سبھی لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے یا پھر بھنسیں چرانے کا کام کرتے تھے۔

ہیر کا والد چوچک سیال گاؤں کا ایک زمیندار تھا۔ اس کے پاس پچاس کے قریب بھینسیں تھیں جنہیں بیلے میں چرایا جاتا تھا۔ رانجھا پھرتے پھراتے بیلے میں پہنچا تو اسے جنگل میں ایک خوبصورت پلنگ نظر آیا۔ رانجھا چونکہ سفر کرتے کرتے تھک گیا تھا، اسے پلنگ نظر آیا تو وہ پلنگ پر لیٹ گیا۔ اسے لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ رانجھے کی آنکھ پھر ہیر کی چھڑی سے ہی کھلی۔ وہ پلنگ ہیر کا تھا اور ہیر اپنے علاوہ اور کسی کو بھی اس پلنگ پر سونے نہیں دیتی تھی۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی ہوئی بیلے میں آئی تو اسے اپنے پلنگ پر کوئی اجنبی چادر اوڑھے سوتا ہوا نظر آیا۔ ہیر اسے دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئی۔ اس نے ایک چھڑی اٹھائی اور زور سے اجنبی مسافر کو ماری۔ رانجھا تڑپ کر اٹھا تو اس کی نظریں ہیر کے چہرے پر پڑیں۔

رانجھے کو ایسا لگا جیسے جھنگ کے بیلے میں چودھویں کا چاند نکل آیا ہو۔ رانجھا اپنی پلکیں جھپکانا ہی بھول گیا۔ جبکہ دوسری طرف ہیر کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے ایک چھڑی سوتے ہوئے رانجھے کو ماری تھی لیکن دوسری چھڑی مارنے کے لیے اس کا ہاتھ ہوا میں ہی اٹھا ہوا رہ گیا۔ ہیر اسے دوسری چھڑی بھی مارنا چاہتی تھی لیکن کوئی انجانی طاقت اسے روک رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ رانجھے کو ایسا لگ رہا تھا جیسے پوری کائنات کی گردش ہی رک گئی ہو۔ ہیر کا حسن پورے جھنگ میں مشہور تھا۔

کشمیر کی پہاڑیوں سے نکلنے والے دریائے چناب کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سینکڑوں کلومیٹر بنتے تھے۔ جہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ بستے تھے۔ لاکھوں حسین لڑکیاں تھیں لیکن ہیر سیال کا حسن ان سب سے الگ تھا۔ وہ سب سے حسین تھی۔ رانجھے کو چودھویں کا چاند بھی ہیر کے حسن کے آگے حقیر نظر آ رہا تھا۔ وہ کسی عقیدت مند کی طرح ہیر کے چہرے کی زیارت کر کر رہا تھا۔

''نی ہیرے! مار کیوں نہیں رہی ہوں اجنبی کو، وہ تمہارے پلنگ پر بیٹھا ہوا ہے؟'' ہیر کی سہیلی شہرزاد نے کندھے سے پکڑ کر ہلایا تو ہیر خیالات کی دنیا سے باہر آ گئی۔ اس کا رانجھے کو مارنے کے لیے اٹھا ہوا ہاتھ نیچے آ گیا۔

''پردیسیوں کو مارتے نہیں ہیں۔۔۔ میں تو پردیسی ہوں جو آپ کے علاقے کی طرف آ گیا ہوں۔'' رانجھے نے ہیر کی سہیلی سے کہا۔ اس کی نظریں ابھی تک ہیر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''اجنبی مسافر بغیر اجازت کے کسی کی چیز استعمال نہیں کرتے اور تم ہماری اجازت کے بغیر ہمارے پلنگ پر سو گئے تھے۔''

''غلطی ہو گئی مٹیارے! تھکا ہوا تھا اس لئے تمہارے پلنگ پر کچھ دیر آرام کر لیا۔'' رانجھے نے اس بار خالصتاً پنجابی لہجے میں کہا اور ہیر کے پلنگ سے نیچے اتر گیا۔

''کہاں سے آئے ہو اجنبی مسافر؟'' ہیر نے اس سے سوال کیا۔

''جنگل میں بھٹکنے والے مسافروں کا کوئی وطن نہیں ہوتا۔۔۔ لڑکی! جہاں چار دن کی خوشی ملتی ہے وہیں گھر بنا لیتے ہیں۔'' رانجھے کے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی تھی۔

''اچھا! ونجلی تو ایسے پکڑی ہوئی ہے جیسے تخت ہزارے کا رانجھا ہو!'' ہیر کی سہیلی شہرزاد نے اس پر طنز کیا اور وہ سب واپس گاؤں کی طرف جانے لگیں۔ رانجھے نے ایک نظر گاؤں کی طرف جاتی ہوئی ہیر پر ڈالی اور ونجلی کو ہونٹوں سے لگا کر پھونک ماری۔ ونجلی کے سوراخوں سے انتہائی مسحور کن آواز نکلی تو ہیر کے چلتے قدم رُک گئے۔ ونجلی کی آواز میں ایک جادو تھا جس نے ہیر کے چلتے قدم روک دیئے تھے۔ رانجھے نے ونجلی بجائی تو ہیر کے لیے تھی لیکن اس کی آواز نے ہیر کی سہیلیوں کو بھی رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''کہاں سے آیا ہے تو اے اجنبی مسافر!'' ہیر نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔

''مسافر ہوں ہیر جی! جنگل جنگل گھومتا رہتا ہوں۔'' رانجھے نے ونجلی بجانا بند کر دی۔ ونجلی کی آواز نے ہیر کی سہیلیوں پر جو جادو کیا تھا وہ تو اتر گیا لیکن ہیر ابھی تک اس آواز کے اثر میں تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے رانجھے کی ونجلی نے اسے قید کر لیا ہو۔

''نی ہیرے! چل گھر چلتے ہیں، ہمیں پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔'' ہیر کی سہیلی شہزاد نے اسے واپسی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں چلو! ہمیں واقعی بہت دیر ہو گئی ہے۔'' اس کی دوسری سہیلیاں بھی کہنے لگیں تو مجبوراً ہیر کو بھی واپس جانا پڑا۔

رانجھا کافی دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ اس کے جسم سے ایسا لگتا تھا جیسے جان ہی نکل گئی ہو۔ بیلے کے اندر تو رانجھے کا اب بت ہی رہ گیا تھا جبکہ رانجھے کی روح تو ہیر کے پیچھے پیچھے ہی چل پڑی تھی۔ آخر رانجھے سے صبر نہ ہوا اور وہ بھی ہیر کے پیچھے پیچھے اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ بیلے سے باہر نکل کر ہیر کی سہیلیاں اپنے اپنے گھر بھاگ گئیں جبکہ ہیر بھی اپنے گھر چلی گئی۔ رانجھا ہیر کے گھر تک آیا اور جیسے ہی ہیر گھر میں داخل ہوئی اس نے ہیر کے دروازے کے سامنے ہی بنے ہوئے ایک چبوترے پر تھوڑی جگہ صاف کی اور وہیں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بار پھر ونجلی بجانا شروع کر دی۔ ہیر گھر میں کھانا بنانے کے لیے سبزی کاٹ رہی تھی۔ ونجلی کی آواز نے اس کے ہاتھ روک دیئے۔ اس نے سبزی ادھر ہی پھینکی اور بھاگتی ہوئی گھر سے باہر آ گئی۔ سامنے ہی چبوترے پر رانجھا آنکھیں بند کئے ونجلی بجا رہا تھا۔ ہیر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ رانجھے کی وَنجلی ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ اس نے نظر اٹھا کر اپنے محبوب کی طرف دیکھا اور دوبارہ سر کو جھکا لیا۔

''اے اجنبی مسافر! تجھے میں جانتی نہیں ہوں لیکن پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہیں ازل سے جانتی ہوں، تمہارا میرا رشتہ ازل سے ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے تو تخت ہزارے کا رانجھا ہے؟ ہیر اس کے سامنے کھڑی اس سے سوال کر رہی تھی۔

''تم کون ہو اے میرے محبوب مسافر؟'' ہیر نے ایک بار پھر سوال کیا۔

''میں تخت ہزارے کا رانجھا ہوں۔ میں وہی رانجھا ہوں جو آج تمہاری محبت میں جنگل جنگل گھوم رہا ہوں۔ میں اپنی ہیر کا رانجھا ہوں۔'' اس نے ایک بار نظر اٹھا کر چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا۔ چاند واقعی ہیر کے حسن کے آگے کچھ بھی نہیں تھا۔

''تم میرے پیچھے کیوں آئے ہو رانجھے؟ کیا مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو؟'' ہیر واپس گھر کی طرف جانے لگی تو رانجھے نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پکڑ لی۔

''محبت کرنے والوں کو کبھی بدنامی کا ڈر نہیں ہوتا۔ میں محبوب کے در کی غلامی مانگنے آیا ہوں۔ مجھے خالی ہاتھ مت لوٹاؤ!'' رانجھے پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''غلامی بڑی مشکل ہوتی ہے رانجھے! تم بڑے نازک مزاج ہو، محبت کے چکروں میں پڑو گے تو برباد ہو جاؤ گے۔'' ہیر کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ اس کی کلائی ابھی تک رانجھے کے ہاتھ میں تھی۔

''ہیر ے! مجھے محبت ہو گئی ہے تم سے۔۔۔ میں اب تم سے دور نہیں رہ سکتا۔ تمہارے اس گھر کا غلام بن گیا ہوں، چھوڑ کر جاؤں گا تو مر جاؤں گا۔'' رانجھے نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

ہیر خاموشی سے واپس گھر چلی گئی جبکہ رانجھا واپس اپنی جگہ پر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ شام تک ایسے ہی بغیر کھائے پیئے ہیر کے دروازے پر ہی بیٹھا رہا۔ شام کو ہیر کا والد گھر آیا تو اس نے رانجھے کو دروازے کے باہر چبوترے پر بیٹھا ہوا دیکھا تو اسے مانگنے والا سمجھا۔ ہیر کے والد چوچک نے رانجھے کو کافی برا بھلا کہا۔

''لڑکے! شرم کرو۔۔۔ نوجوان آدمی ہو، خدا نے ہاتھ پیر بھی سلامت رکھے ہیں، پھر بھی کام کرنے کی بجائے مانگ کر کھا رہے ہو؟'' چوچک سیال نے رانجھے کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''چوہدری صاحب! کام مانگنے ہی آیا ہوں، مانگنے والا نہیں ہوں۔'' رانجھے نے جلدی سے جواب دیا۔

''اچھا! کیا کام کر لیتے ہو؟'' ہیر کے والد چوچک نے پوچھا۔

''چوہدری صاحب! جو بھی آپ کہو، گھر کے کام سے لے کر ڈیرے کے کام تک سب کر لیتا ہوں۔'' رانجھے نے ہیر کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پیسے کتنے لو گے؟'' اس سے اگلا سوال پوچھا گیا۔

''چوہدری صاحب! دو وقت کی روٹی اور سونے کے لیے چھت مل جائے تو یہی بہت ہے۔'' رانجھے نے جلدی سے کہا۔ وہ کسی بھی حالت میں ہیر کے گھر کی نوکری حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہیر کے والد چوچک نے کچھ دیر تک سوچا۔ اس نے سر سے لے کر پاؤں تک رانجھے کو دیکھا اور اقرار میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے لڑکے! آجاؤ گھر، میں تمہیں کام پر رکھ لیتا ہوں۔'' اس نے رانجھے کو اپنے ساتھ لیا اور گھر لے آیا۔

رانجھے نے جیسے ہی ان کے گھر میں قدم رکھا تو اس کی نظریں پورے گھر کا جائزہ لینے لگی۔ وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی نظروں کو گھما رہا تھا۔ اسے ہیر کی تلاش تھی۔ اس کی آنکھوں کو ہیر کی تلاش تھی جو آخر کار پوری ہوگی۔ ہیر سامنے والے ہی کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی آواز سنی تو کمرے سے باہر آ گئی۔

''ابا! یہ کون ہے؟ ہیر نے رانجھے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنے باپ کے سامنے بالکل انجان بن رہی تھی۔

''بیٹی! یہ ہمارا نیا نوکر ہے۔ میں نے اسے بھینسیں چرانے کے لیے رکھا ہے۔'' چوچک نے اپنی بیٹی سے کہا۔

''او بھائی! تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟ گھر میں تمہاری بیٹی جوان ہو رہی ہے اور تم ایک جوان لڑکے کو نوکر رکھ رہے ہو؟'' چوہدری چوچک سیال کے چھوٹے بھائی کیدو نے آواز لگائی۔ وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس نے رانجھے کو دیکھ لیا تھا اور اپنے بڑے بھائی کی بات بھی سن لی تھی۔

چوہدری چوچک کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا۔ اس کا اصل نام تو کسی کو بھی پتہ نہیں تھا لیکن سب اسے چاچا کیدو کے نام سے ہی جانتے تھے۔ اس کی ایک ٹانگ میں پیدائشی نقص تھا جس کی وجہ سے وہ لکڑی کی

بیساکھی کی مدد سے لنگڑا کر چلتا تھا۔ ہیر کا چاچا کیدو بھی چوہدری تھا لیکن وہ چوبیس گھنٹے بھنگ کے نشے میں ہی ڈوبا رہتا تھا۔ اس نے اپنی زمین بھی اسی نشے میں تباہ کر دی تھی اور اب اپنے بڑے بھائی چوچک کے گھر سے ہی کھانا کھاتا تھا۔ چوچک سیال کو اپنے چھوٹے بھائی کے طور طریقے اور اٹھنا بیٹھنا اچھا نہیں لگتا تھا لیکن پھر بھی وہ صرف بڑا بھائی ہونے کے ناطے کیدو کے سارے گناہ معاف کر دیتا تھا۔ کیدو نے شادی بھی نہیں کی تھی۔ وہ سارا دن گاؤں سے باہر ملنگوں کے ڈیرے پر ہی پڑا رہتا تھا۔ بھائی کے گھر صرف کھانا کھانے ہی آتا تھا۔ ورنہ وہ صبح شام ڈیرے پر ہی پڑا رہتا تھا۔ کیدو نے جب رانجھے کو دیکھا تو اپنے بڑے بھائی کو سمجھانا مناسب سمجھا۔

''بھائی صاحب! یہ اچھا نہیں ہے، تم خربوزوں کی رکھوالی ایک گیدڑ کو بٹھا رہے ہو؟'' کیدو نے اپنے بھائی کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اوہ بھائی کیدو! تمہاری عقل تو بالکل ہی گھاس چرنے چلی گئی ہے۔ تم میری معصوم بیٹی پر الزام لگا رہے ہوں۔'' ہیر کی امی مالکی نے کیدو کی آواز سنی تو وہ بھی کمرے سے باہر آ گئی۔

''دیکھ بھابھی! میں ہیر کا چاچا ہوں، یہ میری بھتیجی ہے۔ میں اس کی بدنامی کیوں چاہوں گا؟ میں تو آپ کو خبردار کر رہا ہوں۔ جس گھر میں جوان لڑکیاں ہوں وہاں جوان نوکر نہیں رکھے جاتے۔'' کیدو نے اپنی صفائی دیتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں رانجھے کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''او کیدو! تم تو بالکل ہی بے غیرت ہو گئے ہو۔۔۔ سارا دن بھنگ پی پی کر تمہارا اب دماغ کام ہی نہیں کرتا ہے۔'' ہیر کے والد چوچک سیال نے غصے سے اپنے بھائی کیدو سے کہا۔

''ہیر بیٹی! تم اس لڑکے کے لئے کچھ کھانے کے لیے لاؤ، بے چارہ بھوکا ہوگا۔'' اس نے رانجھے کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ صحن کے ایک کونے میں چولہا رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ سالن تو رات کو ہی تیار کر لیتے تھے اس لئے ابھی بھی سالن پڑا ہوا تھا۔ ہیر نے جلدی سے آٹا گوندھا اور تازہ روٹی بنا دی۔

''ابا! میں نے روٹی بنا دی ہے۔'' ہیر نے آ کر اپنے والد سے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹی! تم ادھر ہی روٹی لا دو، یہ لڑکا ادھر ہی بیٹھ کر روٹی کھا لے گا۔ اس کے بعد تم اسے

بھینسوں کا باڑہ بھی دکھا دینا، یہ سو بھی وہیں جایا کرے گا۔'' چوچک سیال نے اپنی بیٹی ہیر سے کہا تو وہ کھانا لینے چلی گئی۔

''آجاؤ لڑکے! ادھر آجاؤ، تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے رانجھے سے نام پوچھا۔

''جی! میرا نام تیدو ہے۔'' رانجھے نے اپنا نام بتایا اور چوہدری کے سامنے پڑی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

اس نے اپنی ذات رانجھا نہیں بتائی تھی۔ ہیر نے اس کے سامنے لا کر روٹی رکھ دی تو اس نے بسم اللہ پڑھی اور روٹی کا ایک چھوٹا سا نوالہ توڑ کر اسے سالن سے لگا کر منہ میں ڈال لیا۔ ہیر کے ہاتھ کی روٹی بنی ہوئی تھی۔ رانجھا اسے بھی عقیدت سے کھا رہا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ہیر اسے بھینسوں کا باڑہ دکھانے لے آئی۔ ان کے پاس پچاس کے قریب بھینسیں تھیں۔ احاطہ تقریباً آدھے ایکڑ کے قریب تھا۔ جس کے اندر تین بڑے بڑے باڑے بنے ہوئے تھے۔ یہ بہت بڑے بڑے کمرے تھے جن کی چھتیں لکڑی کے شہتیریں ڈال کر اوپر کھجور کے پتوں سے ڈھانپا گیا تھا۔ احاطے کے ایک کونے میں کنواں کھودا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہ نوکروں کے رہنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ ورنہ بھینسیں تو دریا سے پانی پی لیتی تھیں۔

''رانجھے! تم تخت ہزارے کے چودھری ہو، کیا یہ نوکری کر سکو گے؟'' ہیر نے کمرے میں بچھی ہوئی ایک ٹوٹی چارپائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں کمرے میں آ گئے تھے۔ یہ بالکل چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے ایک کونے میں ٹوٹی ہوئی چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ کمرے کے فرش پر ایک گندی سی چٹائی پڑی ہوئی تھی اور اس کے اوپر رضائی بھی تھی۔ کمرے کے دوسرے کونے میں ایک مٹی کا گھڑا تھا جس کے ساتھ ہی پیتل کا گلاس پڑا ہوا تھا۔ بس کمرے کے اندر یہی کل سامان تھا۔ ہیر کو رانجھے کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔

''رانجھے! تم واپس تخت ہزارے چلے جاؤ، یہ جگہ تمہارے قابل نہیں ہے۔'' ہیر کی آواز میں احساس تھا۔

''نہیں ہیرے! یہ رانجھا تیری زلف کا اسیر ہو چکا ہے۔ اسے اب تخت ہزارے کی چودھراہٹ سے زیادہ جھنگ کی نوکری عزیز ہے، چناب کے کنارے سے محبت ہے اور یہ بیلا، یہ بھینسیں اب یہی جنت ہے۔'' رانجھے نے ہیر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''دیکھ لینا رانجھے! یہ محبت بڑی کمینی چیز ہوتی ہے، کہیں اس محبت کی مار نہ پڑ جائے۔'' ہیر نے اس کی طرف دیکھا۔

اس کی کلائی رانجھے کے مضبوط ہاتھ میں تھی۔ وہ دونوں محبت کر بیٹھے تھے۔ ہیر اور رانجھے کی محبت تو ازل سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ یہ محبت تو اسی وقت شروع ہو چکی تھی جب خدا نے ان کی روحوں کو بنایا تھا۔ ہیر نے رانجھے کا بستر جھاڑ کر صاف کیا اور نیچے زمین پر پڑی ہوئی چٹائی پر ہی لگا دیا۔ کمرے میں پڑی ہوئی چارپائی تو پہلے سے ہی ٹوٹی ہوئی تھی جسے چوہدری نے مرمت نہیں کروایا تھا۔ رات رانجھے نے وہیں کمرے میں گزاری اور صبح صبح چوہدری کے ساتھ بھینسیں نکال کر بیلے میں آ گیا۔ دو دن تک ہیر کا والد اس کے ساتھ ہی بھینسیں چراتا رہا۔ اس کے بعد اس نے رانجھے کو اکیلا بیلے میں چھوڑا اور خود کھیتی باڑی کا کام دیکھنے لگا۔ بھینسوں کی تمام جوابداری رانجھے کی تھی۔

رانجھا صبح صبح اٹھ کر پہلے بھینسوں کا دودھ نکالتا تھا۔ پچاس بھینسوں میں سے صرف دس بھینسیں ہی دودھ دینے والی تھیں۔ باقی بچے تھے، سانڈ تھے یا پھر ماں بننے والی بھینسیں تھیں۔ رانجھا صبح اٹھتا اور پھر نماز پڑھنے کے بعد دودھ نکالتا۔ اتنی دیر تک ہیر اس کے لیے کھانا لے کر آ جاتی۔ وہ ہیر کے ہاتھ سے صبح ناشتہ کرتا اور بھینسوں کو لے کر بیلے کی طرف نکل جاتا۔ شام تک وہ ایسے ہی بیلے میں بھینسوں کو چراتا رہتا اور پھر شام کو واپس بیلے میں لا کر دودھ نکالتا اور پھر ہیر کے گھر جا کر دودھ دے آتا۔ وہ رات کا کھانا ادھر ہی کھا لیتا تھا اور پھر واپس آ کر باڑے میں سو جاتا تھا۔ رانجھے کی یہی زندگی تھی۔ وہ سارا دن بھینسوں کے پیچھے ونجلی بجاتا بیلے میں گھومتا رہتا۔

بیلے میں چرنے والی بھینسوں کو بھی اب رانجھے سے عقیدت ہو گئی تھی۔ وہ بھی رانجھے کے پاس پاس ہی رہتی تھیں۔ کوئی بھی بھینس رانجھے کو چھوڑ کر دور تک نہیں جاتی تھی۔ ہیر بھی روزانہ گھر سے سہیلیوں کا بہانہ بنا کر کھیلنے کے لیے نکلتی اور وہ اپنی سہیلیوں کو بیلے میں ہی چھوڑ کر رانجھے کے پاس چلی جاتی۔ ہیر اور رانجھا دونوں

بیلے میں اپنی محبت بھری باتیں کرتے رہتے۔ رانجھے کو اب یہ زندگی مزہ دینے لگی تھی۔ اسے بیلے کی مشکل ترین زندگی اب آسان نظر آنے لگی تھی۔ وہ اب محنتی ہو گیا تھا۔ چوچک سیال کی بھینسیں بھی ہیر اور رانجھے کی محبت دیکھ کر دودھ بھی زیادہ دینے لگی تھیں۔

ہیر کا چاچا کیدو مسلسل ان دونوں کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔ اس نے متعدد بار ہیر اور رانجھے کو اکٹھے پیار بھری باتیں کرتے دیکھا تھا۔ وہ ان دونوں کی شکایت اپنے بڑے بھائی سے بھی کرتا تھا لیکن چوچک سیال اپنے بھائی کیدو کی باتوں پر بالکل کان نہیں دھرتا تھا۔ اسے اپنی بیٹی ہیر پر مکمل اعتماد تھا۔ چوچک کو اعتماد تھا کہ اس کی بیٹی کبھی بھی اس کی عزت خراب نہیں کرے گی۔ چوچک کو ایک نوکر کی ضرورت تھی اور رانجھا ان سے کوئی پیسے نہیں لیتا تھا۔ وہ صرف دو وقت کی روٹی پر ہی کام کر رہا تھا اس لیے بھی وہ رانجھے کو اپنے گھر میں رکھ رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ عشق اور مشک کبھی بھی چھپائے نہیں جا سکتے۔ پیار کرنے والے چاہے جتنی بھی احتیاط کر لیں پھر بھی لوگوں کو پتہ چل ہی جاتا ہے۔

ہیر اور رانجھے کی محبت چناب کے کنارے پھیلے ہوئے بیلے سے باہر نکلی اور گاؤں والوں کو پتہ چلنا شروع ہو گیا۔ لوگ ہیر اور رانجھے کی داستانِ عشق اس کے باپ کو آ کر سنانے لگے۔ شروع شروع میں تو ہیر کے باپ کو ان لوگوں کی باتوں پر یقین ہی نہیں آیا لیکن پھر اسے بھی فکر ہونے لگی۔ اس نے کیدو کو ہیر کی نگرانی کرنے کا کہا اور خود بھی ہیر کی خاموش نگرانی کرنے لگا۔ ہیر ہر روز صبح صبح دیسی گھی کی چوری بنا کر رانجھے کے لئے لے کر جاتی تھی۔ چوچک سیال نے چوری چھپے ایک دن اپنی بیٹی کا پیچھا کیا اور دونوں کو بیلے میں اکٹھے بیٹھے ہوئے پکڑ لیا۔ ہیر نے بیلے میں جا کر پہلے اپنے ہاتھ سے رانجھے کو چوری کھلائی گئی اور پھر اس کی ونجلی کی مست لے میں ڈوب کر لہکنے لگی۔ بانسری کی مدہوش آواز نے ہیر کو جھومنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے رانجھے کی ونجلی سن رہی تھی۔

''ہیرے! کیا کر رہی ہو تم یہاں پر؟'' چوچک سیال نے پورے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔ اس کی آواز بیلے میں بہت دور تک گئی تھی۔ رانجھے کی ونجلی کی آواز بند ہو گئی۔ بیلے میں چرنے والی بھینسیں چوہدری کا غصہ دیکھ کر دور بھاگنے لگیں۔

''ابا! آپ کب آئے ہو؟'' ہیر نے اپنے باپ کو سر پر کھڑے دیکھا تو جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا جواب دے۔

''یہاں کیا کر رہی ہو؟'' ہیر کے والد کا غصہ ابھی تک موجود تھا۔ وہ شعلہ بار نظروں سے دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ابا! میں بھینسوں کو دیکھنے کے لئے آئی تھی۔'' ہیر نے ایک بہانہ بنایا۔

'' بکواس کرتی ہے؟'' اس نے ایک زوردار تھپڑ ہیر کے چہرے پر جڑ دیا۔

''چوہدری! جوان بیٹیوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔'' رانجھے نے غصے سے ہیر کے والد کی طرف دیکھا۔

''شرم اور لاج والی بیٹیاں کبھی بھی اپنے باپ کی عزت پیروں تلے نہیں روندتی۔ تم تھپڑ کی بات کرتے ہو، جو دھبہ آج اس نے اپنے باپ کی عزت پر لگایا ہے اس کے جواب میں تو مجھے اسے جان سے مار دینا چاہیے۔'' چوچک سیال نے زمین پر گری ہوئی اپنی بیٹی کو بالوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور ایک اور تھپڑ مار دیا۔

''تجھے ایک بار بھی شرم نہیں آئی اپنے باپ کی عزت کو اس نوکر کے پیروں میں روندتے ہوئے؟'' اس نے غصے سے ہیر سے پوچھا۔

''ابا! میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔'' ہیر کا پورا وجود کانپ رہا تھا لیکن وہ پھر بھی باپ کے سامنے ڈٹ گئی۔

''اگر یہ غلط نہیں ہے تو پھر صحیح کیا ہے؟ تم ایک نوکر کے ساتھ منہ کالا کر رہی ہو؟'' اس نے ہیر کے بالوں کو غصے سے جھٹکا دیا تو ہیر کی آہ نکل گئی۔

''چوہدری! یہ گناہ نہیں ہے بلکہ یہ محبت ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔'' رانجھے نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''ابا! میں اس سے محبت کرتی ہوں۔'' ہیر ایک بار پھر باپ کے سامنے آ گئی۔ باپ کا مارنے کے لیے اٹھا ہوا ہاتھ رک گیا۔ جوان بیٹی آج باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔ چوچک سیال اندر سے کانپ کر رہ گیا۔

''بیٹی! تم چوچک سیال کی بیٹی ہوں جبکہ یہ نوکر ہے۔اس کی کوئی ذات نہیں ہے، اس کا کوئی خاندان نہیں ہے۔'' اس نے بیٹی کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھر کی طرف لے جانے لگا۔

''چوہدری! میں ذات کا رانجھا ہوں، تخت ہزارے کا رانجھا۔۔۔جو ہیر کے لئے نوکر بن گیا تھا۔میں نے بارہ سال آپکی بھینسیں چرائی ہیں۔اس ہیر کی محبت میں بارہ سال اس بیلے میں گزار دیئے ہیں۔میں آپ کی بیٹی سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' رانجھے نے پیچھے سے کہا لیکن چوچک سیال نے اس کی کوئی بات نہ سنی اور وہ گاؤں کی طرف چل پڑا۔رانجھا بھی دونوں باپ بیٹی کے پیچھے پیچھے ہی چلنے لگا۔

گاؤں پہنچ کر چوچک سیال تو ہیر کو لے کر گھر میں داخل ہو گیا جبکہ رانجھا باہر چبوترے پر بیٹھ گیا۔ہیر کے گھر کے دروازے اس پر بند ہو چکے تھے۔رانجھے کو بارہ سال پہلے کا وہ دن یاد آ گیا جب وہ پہلی بار ہیر کے گھر آیا تھا تو اس وقت بھی وہ اسی طرح چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔اس وقت بھی وہ ہیر کے پیچھے پیچھے گھر تک آیا تھا۔ماضی میں بھی وہ گھر چلی گئی تھیں اور رانجھا باہر چبوترے پر بیٹھ گیا تھا۔ماضی اور حال میں صرف اتنا فرق تھا کہ اس وقت ہیر اپنی مرضی سے گھر میں گئی تھی اور آج اس کو زبردستی لے جایا جا رہا تھا۔بارہ سال پہلے بھی رانجھے کو چبوترا نصیب ہوا تھا اور آج بھی وہ اسی چبوترے پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوا تھا۔اس کی کل ملکیت ایک بانسری تھی۔اس کے علاوہ رانجھے نے بارہ سال میں کچھ بھی نہیں کمایا تھا۔

''او بھائی! کیا ہوا ہے؟ تم نے ہیر کا ہاتھ کیوں پکڑا ہوا ہے؟'' گھر کے صحن میں کیدو بیٹھا ہوا تھا۔اس نے اپنے بھائی چوچک کو غصے سے بھرا ہوا گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا ہیر کے ابا! تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟'' ہیر کی ماں مالکی بھی ان کی آواز سن کر صحن میں آ گئی۔

''سمجھا لو اپنی عزت دار بیٹی کو! یہ بیلے میں جا کر ہماری عزت کی دھجیاں اڑا رہی تھی۔'' اس نے اپنی بیٹی کو اندر کمرے کی طرف دھکا دیا۔ہیر اپنے باپ کے دھکے کے زور سے نیچے زمین پر گر گئی۔

''کیا ہوا ہے ہیر کے ابا! تم میری بیٹی پر کیا الزام لگا رہے ہو؟'' وہ ماں تھی، آخر اپنی بیٹی سے محبت کرتی تھی۔

''تمہاری یہ معصوم بیٹی ایک نوکر کے آگے ہماری عزت کا جنازہ نکال رہی تھی۔'' چوچک سیال کا غصہ

ابھی تک نیچے نہیں اترا تھا۔ جوان بیٹی اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ پورے گاؤں میں ہیر اور رانجھا کے قصے مشہور ہو چکے تھے۔

''امی وہ نوکر کم ذات نہیں ہے، وہ تخت ہزارے کا رانجھا ہے۔'' ہیر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''ہیر کی ماں! اس کو اندر لے جاؤ، میری نظروں سے دور کر دو اس بے غیرت کو۔۔۔ ورنہ میں اس کا گلا دبا دوں گا۔'' وہ ہیر کو مارنے کے لیے آگے بڑھے لیکن ماں درمیان میں آ گئی۔

''کیدو! باہر چبوترے پر رانجھا بیٹھا ہوا ہے، مجھے وہ آج کے بعد یہاں اس گاؤں میں نظر نہیں آنا چاہیے۔'' اس نے اپنے بھائی کیدو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی جی! آپ فکر ہی مت کرو، تید و رانجھا اب آپ کو اس گاؤں میں نظر نہیں آئے گا۔'' کیدو نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ٹھیک ہے بھائی! جو مرضی کرو لیکن بہر حال مجھے یہ رانجھا یہاں نظر نہیں آنا چاہیے اور اس بے غیرت کی تو میں کل ہی شادی کی بات کرتا ہوں۔'' وہ دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ہیر کی ماں ہیر کو اندر لے گئیں جبکہ کیدو گھر سے باہر آ گیا۔ رانجھا ابھی تک گھر کے باہر چبوترے پر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کیدو کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''چاچا! میں نوکر نہیں ہوں، میں تخت ہزارے کا رانجھا ہوں جو ہیر کی محبت میں نوکر بن گیا تھا۔'' رانجھے نے جلدی سے کہا۔ وہ آج کیدو کے ساتھ بھی بڑی تمیز سے بات کر رہا تھا۔ کیدو نے رانجھے کی بات پوری بات بھی نہیں سنی اور وہ دوسری طرف نکل گیا۔

اگلے آدھے گھنٹے میں ہی کیدو اپنے ساتھ کوئی درجن بھر نوجوان لڑکے لے کر آ گیا اور انہوں نے مل کر رانجھے کو مارنا شروع کر دیا۔ رانجھا خاموشی سے انکی مار سہتا رہا۔ لڑکوں نے مار مار کر اس کو لہولہان کر دیا۔ اس کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ اس کا سر بھی پھٹ گیا اور وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گیا۔ لڑکوں نے اس کو پکڑا اور چناب کے کنارے بیلے میں پھینک آئے۔ دوسری طرف ہیر کے والد نے ہیر کی بات رنگ پور کے ایک نوجوان سید وکھیڑے سے کر دی۔ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ کھیڑے سے کر دیا۔ ہیر کے

والد کو چونکہ بیٹی کی سرکشی کا خطرہ تھا اس لیے اس نے تین دن بعد ہی شادی کی تاریخ بھی طے کر دی۔ رنگ پور کے کھیڑے بہت طاقتور زمیندار تھے۔ ہیر کے حسن کے چرچے پورے جھنگ میں پھیلے ہوئے تھے اس لیے کھیڑوں نے ہیر کے باپ کی ہر شرط مان لی۔ وہ ہیر کو اپنے گھر کی بہو بنانا چاہتے تھے۔ تین دن بعد ہی سیدو کھیڑا بارات لے کر ہیر کے گھر آ گیا۔

''ہیر سیال بنت چوچک سیال! تمہارا نکاح رنگ پور کے سیدے کھیڑے سے شرعی حق مہر کے طے کیا جاتا ہے کیا تمہیں قبول ہے؟'' مولوی کی آواز اندر کمرے میں گھونج رہی تھی۔ وہ ہیر سے نکاح کی اجازت لینے آیا تھا۔

''نہیں مولوی صاحب! میں اس نکاح سے انکار کرتی ہوں، میں نے اپنا شوہر رانجھے کو مانا ہوا ہے۔'' ہیر نے بے خوف ہو کر کہا۔ کمرے میں مولوی کے علاوہ ہیر کے ماں باپ اور چچا کیدو بس یہی لوگ تھے۔

''معاف کرنا چوہدری! تمہاری بیٹی نے انکار کر دیا ہے۔ یہ نکاح ہیر کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔'' مولوی نے دلہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مولوی صاحب! میری بیٹی تو سرکش ہو گئی ہے، ایک باپ کی عزت مٹی میں ملا رہی ہے۔۔۔ آپ کسی بھی طریقے سے نکاح پڑھوا دیں۔'' ہیر کے باپ نے مولوی کے پاؤں پکڑ لیے۔

''نہیں چودھری! یہ غلط ہے۔۔۔ لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔'' مولوی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ وہ اٹھ کر باہر کی طرف جانے لگا تو کیدو اس کے سامنے آ گیا۔

''قاضی صاحب! بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔ رنگ پور سے کھیڑے بارات لے کر ہمارے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ خالی ہاتھ واپس گئے تو گاؤں میں نہ ہی کھیڑوں کی عزت رہے گی اور نہ ہی سیالوں کی۔ لوگ جاٹ قوم پر تھوتھو کریں گے۔'' کیدو نے مولوی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اسے قاضی کہہ کر بلا رہا تھا۔

''نہیں چاچا کیدو! اسلام اس چیز کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر لڑکی راضی نہیں ہے تو پھر نکاح نہیں ہو گا۔'' مولوی اپنی بات پر قائم رہا۔

''قاضی صاحب! خالص سونے کی سو اشرفیاں اور میرے باڑے کی سب سے بہترین بھینس بچھڑے

سمیت آپ کی ہوئیں۔ آپ جس بھینس پر بھی ہاتھ رکھو گے وہ آپ کی نذر کر دوں گا۔ میری عزت کو اس کمرے سے باہر مت جانے دو۔'' چوچک سیال نے مولوی کے سامنے ہاتھ باندھ لیے۔

''ٹھیک ہے چودھری! اسلام میں عورت کا ہاں کہنا لازمی نہیں ہوتا ہے بلکہ لڑکی کی خاموشی کو بھی اقرار سمجھا جاتا ہے۔ آپ اپنی بیٹی کا منہ بند کر دیں۔ میں تین بار نکاح بولوں گا، اس دوران اس کی آواز نہیں آنی چاہیے۔'' مولوی نے اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی دیکھ لی تھی۔ سونے کی چمک نے اس کا ایمان خرید لیا تھا۔ اسلام وہی تھا، اسلام کے احکامات بھی وہی تھے لیکن اس مولوی نے سونے کی چمک اور بھینس دیکھ کر نکاح کے معنی ہی بدل دیئے تھے۔ ہیر کے والد چوچک سیال نے اپنی بیٹی کو پکڑا اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ مضبوطی سے بند کر دیا۔

''مولوی صاحب! میں آپ کے کان بھی بند کر دیتا ہوں تاکہ آپ کو آواز بالکل ہی نہ آئے۔'' کیدو آگے بڑھا اور اس نے مولوی کے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''ہیر بنت چوچک سیال! تمہارا نکاح شرعی حق مہر پر سیدے کھیڑے سے کیا جاتا ہے۔۔۔ کیا تمہیں قبول ہے؟'' مولوی کی آواز ایک بار پھر کمرے میں گونجی۔ ہیر مولوی کے منہ سے نکلنے والے ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔ وہ ایک ایک لفظ سے انکار کرنا چاہتی تھی لیکن باپ کا ہاتھ انتہائی مضبوطی سے اس کے منہ پر جما ہوا تھا۔ وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکتی تھی۔ ہیر کی ماں بھی کمرے میں موجود تھی۔ وہ بھی اس غیر شرعی نکاح کے حق میں نہیں تھی لیکن وہ بے چاری بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ مولوی نے تین بار نکاح کی اجازت طلب کی اور دوسری طرف سے خاموشی دیکھ کر سونے کی تھیلی کو جیب میں ڈال لیا۔

''مبارک ہو چوہدری! میں اب جا کر کھیڑے کا نکاح پڑھوا دیتا ہوں۔'' مولوی نے مبارک کے الفاظ کہے تو کیدو نے اپنے ہاتھ مولوی کے کان سے ہٹا لیے۔ اسی وقت چوچک سیال نے بھی اپنے ہاتھ ہیر کے منہ سے ہٹا لیے۔

''مولوی صاحب! میں اس نکاح سے انکار کرتی ہوں، میں صرف رانجھے سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ یہ نکاح میری مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔'' ہیر نے چلاتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! نکاح ہو چکا ہے، تم نے چپ رہ کر اپنی رضامندی دے دی ہے۔'' مولوی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ اصل میں ہیر کو نہیں بلکہ اپنے ضمیر کو سمجھا رہا تھا۔ وہ اپنے ایمان کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا جو سونے کی چمک دے کر پگھل گیا تھا۔

''قاضی صاحب! میں اب انکار کر رہی ہوں۔'' ہیر کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔

''نہیں بیٹی! اب نکاح ہو چکا ہے اور اب انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اب یہ اختیار صرف سیدو کھیڑے کے پاس ہی ہے۔ اب وہی تمہیں طلاق دے سکتا ہے۔'' مولوی نے اپنے مالکوں کو خوش کرنے کے لیے ایک نیا اسلامی قانون بتایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''ابا! میں اس شادی کو نہیں مانتی، میں کبھی بھی ڈولی میں نہیں بیٹھوں گی، میں باہر چیخ چیخ کر لوگوں کو بتاؤں گی کہ میری شادی نہیں ہوئی ہے۔'' ہیر نے چلانا شروع کر دیا۔

''او بھایا! تم جا کر بارات کو سنبھالو، اسے تو میں ابھی ٹھیک کر دیتا ہوں۔'' کیدو نے اپنے بھائی کو باہر جانے کا کہا اور خود اپنی جیب سے ایک سفوف نکال کر اسے پانی کے گلاس میں ملانے لگا۔

''بھابی! ہیر کو پکڑو!'' اس نے ہیر کی ماں سے کہا۔

''جی بھائی! میں پکڑتی ہوں۔'' ماں نے اپنی بیٹی کے دونوں بازو پکڑ لیے تو کیدو نے پانی کا گلاس ہیر کے منہ سے لگا دیا۔ ہیر وہ پانی نہیں پینا چاہتی تھی لیکن کیدو نے زبردستی بے ہوشی کی دوا ملا ہوا پانی اس کے حلق میں انڈیل دیا۔ پانی ہیر کے حلق سے نیچے اترا تو وہ آہستہ آہستہ اپنے ہوش و حواس کھونے لگی۔ پانچ منٹ کے اندر اندر ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔

''بھائی کیدو! خدا تم تینوں مردوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تم تینوں نے مل کر میری معصوم بیٹی کی زندگی تباہ کر دی ہے۔'' ہیر کی ماں مالکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بھابی مالکی! یہی دنیا ہے، یہی عزت ہے۔ ہمیں نا چاہتے ہوئے بھی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بھابی! اس جرم میں آپ بھی برابر کی شریک ہیں۔ خدا اگر ہمیں پوچھے گا تو تم سے بھی سوال ہوں گے۔'' کیدو نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

''صحیح کہتے ہو کیدو! ہم عورتوں کے پاس ہوتا ہی کیا ہے؟ ہمارے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ میں اپنی بیٹی کی شادی تخت ہزارے کے رانجھے سے کرنا چاہتی ہوں لیکن میری بات کون مانے گا؟ جس طرح میری بیٹی بے بس ہے ایسے ہی میں بھی مجبور ہوں۔'' ہیر کی ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہیر کی شادی رنگ پور کے سیدو کھیڑے سے ہوگئی۔ بارات کو اچھا کھانا کھلایا گیا اور ہیر کو ڈولی میں بٹھا کر رنگ پور کے کھیڑوں کے حوالے کر دیا گیا۔

رانجھا چناب کے کنارے بیلے میں ہی موجود تھا۔ اسے جب ہیر کی شادی کی خبر ملی تو وہ گاؤں کی طرف آیا لیکن گاؤں کے باہر کیدو نے اپنے آدمی کھڑے کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے پھر رانجھے کی اچھی خاصی دھلائی کی اور دوبارہ اسے نیم مردہ بیلے میں چھوڑ کر آ گئے۔ ہیر نے چناب کا کنارہ چھوڑا اور رنگ پور آ گئی۔ رانجھے کی بانسری خاموش ہوگئی۔ بیلے کی رونقیں ختم ہوئیں تو بھینسوں نے بھی دودھ دینا بند کر دیا۔ دریائے چناب کا پانی بھی کم ہوگیا۔ پورے علاقے پر ایک عجیب سی سوگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ہیر کے جاتے ہی بہار ختم ہوگئی اور چناب کے کنارے بیلے میں خزاں اتر آئی۔ رانجھا کافی دنوں تک بیلے میں ہی آوارہ گھومتا رہا۔ 12 سال کی محبت نے اپنا اثر دکھایا تو رانجھا دیوانہ ہوگیا۔ اسے اپنا کوئی ہوش نہ رہا۔ اس نے بھی چناب کا کنارہ چھوڑ دیا اور جنگلوں میں گھومنے لگا۔

ایسے ہی دن رات پاگلوں کی طرح گھومتے گھومتے وہ ایک ہندو جوگی گورکھ ناتھ کے آستانے پر پہنچ گیا۔ جوگی گورکھ ناتھ ہندو تھا لیکن وہ بدھ مت کی تعلیمات سے زیادہ متاثر تھا۔ جبکہ اس کے چیلے ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔ بدھ مت کی تعلیمات میں انسان کو اپنا جیون تیاگ دینا پڑتا ہے اور دنیا کی تمام خوشیوں سے منہ موڑ لینا پڑتا ہے۔ رانجھا جنگل جنگل گھومتا گھومتا آخر جوگی گورکھ ناتھ کے آستانے پر پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے بچہ! کیوں پریشان ہو؟'' گورکھ ناتھ نے رانجھے کو آستانے پر سر جھکائے بیٹھے دیکھا تو پوچھنے لگا۔ گورکھ ناتھ کا آستانہ عارضی تھا۔ انہوں نے کپڑے کا ایک خیمہ لگایا ہوا تھا جس کے باہر آگ کا ایک الاؤ جل رہا تھا۔ یہی گورکھ ناتھ کا آستانہ تھا جو ہر مہینے بعد اٹھا لیا جاتا تھا اور کہیں اور منتقل ہو جاتا تھا۔ جوگی گورکھ ناتھ کسی بھی جگہ پر دو مہینے سے زیادہ نہیں رکتا تھا۔ وہ ایسے ہی جنگل جنگل نگر نگر گھومتا رہتا تھا۔ رانجھا ہیر کے عشق میں مجنوں بن چکا تھا۔ اس کے کپڑے پھٹ چکے تھے، بال بڑے بڑے ہو گئے تھے اور داڑھی بھی

بہت بڑھ چکی تھی۔جنگل میں ایک جگہ آگ جلتی ہوئی نظر آئی تو رانجھا بھی ادھر چلا آیا۔

''کیسے آئے ہو بچہ؟'' جوگی گورکھ ناتھ کی لال سرخ آنکھیں رانجھے پر جمی ہوئی تھیں۔

''باباجی مکتی کے لیے آیا ہوں۔۔۔میں عشق میں پاگل ہو چکا ہوں، مجھے اب اس درد سے مکتی چاہیے۔'' رانجھے نے جوگی کے آگے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''بچہ! مکتی اتنی آسانی سے نہیں ملتی ہے، اس کے لیے بڑی کٹھن تپسیہ کرنی پڑتی ہے۔اپنے جیون کو جلانا پڑتا ہے اور اپنی ساری خواہشات کو مارنا پڑتا ہے۔'' جوگی کی آواز پورے جنگل میں گونج رہی تھی۔

''باباجی! میں جینا ہی نہیں چاہتا ہوں۔سب سے بڑی خواہش تو جینے کی ہوتی ہے۔جب یہی خواہش نہیں ہے تو پھر باقی کیا خواہش کرنی؟'' رانجھے نے آگ کے الاؤ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بچے! مجھے تمھاری آنکھوں میں ایک تڑپ نظر آتی ہے، تم ایک بہت اچھے جوگی بنو گے۔ میں تمہیں اپنا چیلا بنالیتا ہوں۔'' جوگی گورکھ ناتھ نے اپنا دایاں ہاتھ رانجھے کے سر پر رکھ دیا۔رانجھے کو ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا۔اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

''قیصر! میرے بچے! اٹھو اور راجہ کے کانوں میں سوراخ کر کے ان میں بالیاں ڈال دو۔'' جوگی نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے چیلے کو کہا۔ چیلے کا نام محمد قیصر تھا اور وہ لاہور سے تھا۔گول چہرہ اور ہلکی داڑھی وہ بہت خوبصورت سا نوجوان تھا لیکن وہ بھی رانجھے کی طرح محبت کے چکروں میں پڑ گیا تھا۔محبت بڑے بڑے پہلوانوں کو زیر کر دیتی ہے۔یہی حالت قیصر کی بھی ہوگئی تھی۔وہ بھی محبت کی چوٹ کھا کر جوگی گورکھ ناتھ کا چیلا بن گیا تھا۔اس نے بھی کان چھدوا لیے تھے۔

''بچے! اٹھو اور رانجھے کو بھی ہمارا چہرہ بنادو۔'' جوگی نے قیصر کو اشارہ کیا تو وہ اٹھا اور اس نے آگ کے الاؤ میں ایک باریک سلائی رکھ کر اسے گرم کرنے لگا۔سلائی گرم ہونے پر قیصر نے رانجھے کے کانوں میں سوراخ کر دیا۔درد کی ایک تیز لہر رانجھے کو اپنے جسم میں محسوس ہوئی لیکن وہ برداشت کر گیا۔رانجھے نے اس سے زیادہ درد اپنی زندگی میں سہے تھے، اس کے لیے یہ درد معمولی سا تھا۔چیلے نے رانجھے کے کانوں میں سوراخ کرنے کے بعد اس میں ایک دھاگا ڈال دیا۔دو تین دن تک اب اس کے کانوں میں دھاگا ہی رہتا

اس کے بعد وہاں بالیاں ڈال دی جاتیں۔

''بچے! کلائی آگے کرو۔'' جوگی نے اس سے کہا تو اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی جوگی بابا کے آگے کر دی۔ جوگی گورکھ ناتھ نے اپنے سر پر لٹکتے ہوئے بے شمار دھاگوں میں سے ایک دھاگا توڑا اور اسے رانجھے کی کلائی پر باندھ دیا۔ رانجھا اب باقاعدہ طور پر جوگی گورکھ ناتھ کا چیلا بن گیا تھا۔

''بچے! اب تم میرے چیلے بن گئے ہو، اب اس دنیا کو تیاگ دو اور جوگ اختیار کر لو۔ دنیا کی ہر خواہش اب تمہارے اوپر حرام ہے۔'' جوگی اس کو سمجھانے لگا۔

''جی بابا جی! مجھے اب دنیا کی کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔'' رانجھے نے دور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بچے! یہ لو کاسہ اور جنگل جنگل گھومو پھرو۔'' جوگی نے اسے ایک کاسہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

''دیکھنا بچے! کبھی بھی ظرف سے زیادہ مت مانگنا، بھوکا رہنا اور صرف زندہ رہنے کے لیے ہی کھانا۔۔۔ تمہیں تبھی شانتی ملے گی۔'' جوگی کی نظر رانجھا کی وَنجلی پر پڑ گئی۔ اس نے کاسہ رانجھے کو پکڑایا اور اس کی ونجلی پکڑ لی۔

''یہ موسیقی بھی حرام ہے، یہ دنیا کی محبت ظاہر کرتی ہے۔ اسے تمہارے پاس نہیں ہونا چاہیے۔'' سادھو جوگی نے رانجھے کی ونجلی توڑی اور اس کے ٹکڑے آگ کے الاؤ میں پھینک دیے۔ رانجھے کے سنبھلنے سے پہلے ہی سادھو نے ونجلی توڑ کر آگ کے الاؤ میں پھینک دی تھی۔ رانجھے نے جلدی سے ہاتھ بڑھایا اور جلتے ہوئے الاؤ میں سے ونجلی نکال لی لیکن ونجلی جل چکی تھی۔ رانجھے کے ہاتھ جلے تو اس نے ونجلی کو زمین پر پھینک دیا۔ خشک لکڑی کی پتلی سی بانسری تھی، اس لیے اسے فوراً ہی آگ لگ گئی۔ رانجھے کا ہاتھ جل گیا تھا۔ سادھو جوگی آگے بڑھا اور اس بار اس نے جلتی ہوئی بانسری پکڑ لی۔

''بچے! تمہارا عشق ابھی کامل نہیں ہوا ہے، اسے ابھی مزید پالش کی ضرورت ہے۔ اگر عشق کامل ہوتا تو ہاتھ جل جاتے لیکن کبھی بھی ونجلی کو زمین پر نہ پھینکتے۔'' جوگی گورکھ ناتھ کا ہاتھ ونجلی کے ساتھ جل رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر تکلیف کے ہلکے سے آثار بھی نہیں تھے۔

''قیصر!'' جوگی نے پیچھے کھڑے اپنے چیلے کو آواز دی تو اس بار چیلے نے اس ونجلی کو پکڑ لیا۔ چیلے کے چہرے پر بھی تکلیف کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اس کا چہرہ بھی اپنے گرو کی طرح سپاٹ تھا۔

''گورو جی! میں نے بارہ سال عشق میں بھینسیں چرائی ہیں۔ بارہ سال کا عشق بھی اگر کامل نہیں ہے تو پھر کون سا عشق کامل ہوتا ہے؟'' رانجھا ایک بار پھر گرو کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

''بچے! بارہ سال تو نے محبوب کے ساتھ گزارے ہیں، اصل عشق تو محبوب کے بغیر ہوتا ہے۔ محبوب کو دیکھ کر تو سب ہی محبت کرتے ہیں لیکن اصل محبت تو وہ ہوتی ہے جو محبوب کو دیکھے بغیر ہو۔ اصل عشق تو وہ ہے جو ان دیکھے محبوب پر جان دیتا ہے۔ تمہارے بارہ سال کچھ بھی نہیں ہیں، یہاں لوگوں کی زندگیاں گزر جاتی ہیں لیکن عشق کی پہلی سیڑھی بھی نصیب نہیں ہوتی۔'' جوگی نے آنکھیں بند کیں اور مراقبے میں چلا گیا۔

رانجھا کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن اس کے چیلے نے منع کر دیا۔ چیلا رانجھے کو لے کر نزدیکی گاؤں چلا گیا۔ سارا دن انہوں نے وہیں گاؤں کی گلیوں میں مانگتے ہوئے گزارا۔ رانجھے کا چونکہ آج پہلا دن تھا اس لئے وہ چیلے کے پیچھے پیچھے ہی رہا۔ رات ہوتے ہی وہ واپس چلے گئے۔ انہوں نے گرو کو روٹی دی اور کٹیا کے اندر ہی جا کر سو گئے۔ دو دن بعد رانجھے کے کان کے زخم تھوڑے ٹھیک ہوئے تو ان میں بالیاں ڈال دی گئیں۔ رانجھا دو مہینے تک گرو کے ساتھ ہی رہا۔ اس نے دو مہینے میں ہی عشق کا راستہ ڈھونڈ لیا تھا۔ رانجھے کی طلب سچی تھی اس لیے وہ بڑی جلدی ہی سیدھے راستے پر آ گیا تھا۔

''بچے! اب راستے الگ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔'' رانجھا اور جوگی گورکھ ناتھ کا چیلا قیصر دونوں صبح صبح گاؤں کی طرف جانے کے لیے نکلے تو جوگی نے رانجھے کو روک لیا۔

''قیصر بچے! آج تم اکیلے ہی گاؤں جاؤ گے، رانجھا اب ہمارے ساتھ نہیں رہے گا۔'' جوگی گورکھ ناتھ نے قیصر کو اکیلا گاؤں کی طرف روانہ کیا اور رانجھے کو لے کر الاؤ کے گرد بیٹھ گیا۔ رانجھا اس کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

''گورو جی! مجھے آپ کی ضرورت ہے۔'' اس نے مختصر کہا۔

''نہیں بچے! تمہاری اب یہاں ضرورت نہیں ہے، تمہاری کہیں اور ضرورت ہے۔ اس جنگل سے باہر

نکلو اور کسی اور طرف رخ کرو۔ یہ دنیا بہت بڑی ہے۔'' سادھو جوگی نے عجیب سے انداز سے کہا۔ وہ رانجھے کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

'' بچے! تم عشق کی ان راہوں کے مسافر ہو جہاں تک پہنچنا کسی کسی کے نصیب میں ہوتا ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی ان راہوں پر لگا دی ہے لیکن پھر بھی وہ مقام حاصل نہ کر سکا جو تم نے دو مہینوں میں ہی حاصل کر لیا ہے۔ واقعی! تمہارے بارہ سال ضائع نہیں ہوئے تھے۔ تمہیں ان بارہ سالوں کی ریاضت کا صلہ ہی ملا ہے۔ تم اب مجھ سے بڑے گیانی ہو چکے ہو۔'' جوگی گورکھ ناتھ نے صندل کی ایک لکڑی آگ کے الاؤ میں ڈالی تو اس کی خوشبو ماحول کو خوشگوار بنانے لگی۔

'' گورو جی! آپ کے چرن چھوڑ کر جانے کو دل نہیں کرتا ہے۔ میرا دل اب اس دنیا سے اٹھ چکا ہے۔ آپ کے چرنوں سے اٹھ کر جاؤں گا تو تباہ ہو جاؤں گا۔'' رانجھے نے گورو گورکھ ناتھ کے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''نہیں بچے! تیری زندگی ان جنگلوں میں بھٹکنے کے لئے نہیں ہے۔ تمھاری قسمت میں کامل عشق کی منزل لکھ دی گئی ہے۔ تمہارا عشق ایک مثال بننے والا ہے۔ آنے والی کئی صدیوں تک تمہاری محبت کی داستانیں سنائی جائیں گی۔ آنے والی کئی نسلیں تمہاری محبت کی مثالیں دیا کریں گی۔ ہیر اور رانجھے کی محبت کی ایک داستان نے مجھے بھی امر کر دیا ہے۔ آنے والی نسلیں تمہاری وجہ سے جوگی گورکھ ناتھ کو بھی یاد رکھیں گی۔ ایک گورو اپنے چیلے کے نام سے مشہور ہو گا۔'' جوگی گورکھ ناتھ نے آنکھیں بند کی ہوئی تھی اور وہ گہرے مراقبے میں چلا گیا تھا۔

'' گورو جی! ہیر اور رانجھے کی اس محبت میں ہیر بھی ملے گی یا ایسے ہی جنگلوں کی خاک چھاننی پڑے گی؟'' رانجھے نے اپنے گرو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں امید جھلک رہی تھی۔

'' رانجھے! میرا چیلا ہے تو۔۔۔ میرے بچے! عشق میں ملن نہیں ہوتا۔ کبھی نہیں ہوتا۔۔۔ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ جس عشق میں ملن ہو وہ پھر عشق ہی نہیں ہوتا۔'' جوگی ایک بار پھر مراقبے میں چلا گیا۔ اس بار اس نے رانجھے کی کسی بھی بات کا جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر تک رانجھا بھی اٹھ گیا۔ اس نے عقیدت سے گرو کے پیروں کو ہاتھ لگایا اور جنگل سے باہر آ گیا۔ وہ پھرتا پھراتا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں، ایک جنگل سے

دوسرے جنگل ہوتا ہوا ایک دن ہیر کے گاؤں رنگ پور پہنچ گیا۔

ہیر اپنے ماما کیدو کے ہاتھوں بے ہوشی کے سفوف ملا پانی پی کر بے ہوش ہوگئی تھی۔ کھیڑوں کو یہی بتایا گیا کہ ہیر گھبراہٹ کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہے اس لیے کھیڑے مطمئن ہوگئے۔ ہیر کے ماں باپ نے بے ہوش ہیر کو ڈولی میں ڈالا اور اس کو کھیڑے ڈولی میں بٹھا کر رنگپور لے آئے۔ رنگ پور آ کر رات کو جب سیدو کھیڑا ہیر کے کمرے میں آیا تو وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ سیدو کھیڑے نے پانی کے چھینٹوں کی مدد سے ہیر کو ہوش دلائی۔ ہیر نے جب ایک اجنبی کو اپنے کمرے میں دیکھا تو شور مچانے لگی۔ سیدو کھیڑے نے بڑی مشکل سے ہیر کو چپ کرایا۔ اس نے ہیر کو بتایا کہ وہ اب رنگ پور میں آ چکی ہے جو ہیر کے گاؤں سے بہت دور تھا۔ اس کی شادی سیدے کھیڑے سے ہو چکی تھی۔ وہاب سیدو کھیڑے کی بیوی بن گئی تھی۔

''ہیرے! میرا تمہارے ساتھ نکاح ہوا ہے اور تم میری بیوی ہو۔'' سیدو کھیڑے نے ہیر کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں! یہ نہیں ہوسکتا۔۔۔ میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا ہے، میں تو اپنے رانجھے کی امانت ہو۔'' ہیر چارپائی سے اٹھ گئی۔ وہ چارپائی کی دوسری طرف چلی گئی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں بارات لے کر تمہارے گاؤں گیا تھا، مولوی صاحب نے ہم دونوں کا نکاح پڑھایا ہے۔ اس کے بعد ڈولی میں بٹھا کر تمہیں یہاں رنگپور لے کر آئے ہیں اور تم کہہ رہی ہو کہ تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔'' سیدو کھیڑے کو غصہ آ گیا۔ وہ ہیر کی طرف بڑھنے لگا۔

''دیکھ سیدے! میرے قریب مت آنا، میں کمزور عورت ہوں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن پھر بھی جہاں تک ہو سکا میں کروں گی۔ خود بھی مر جاؤں گی اور تمہیں بھی مار دوں گی لیکن اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔'' ہیر کی گرجدار آواز نے سیدے کھیڑے کے قدم روک دیے۔ وہ وہیں کھڑا ہو گیا۔

''ہیرے! یہ گناہ ہے۔ میں تمہارا شوہر ہوں اور تمہیں میری اطاعت کرنی چاہیے۔ اس نے اب اسلام کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔''

''سیدے! اسلام کا مجھے بھی پتا ہے۔ جب میں نے تمہیں اپنا شوہر ہی تسلیم نہیں کیا ہے تو پھر نکاح کیسا؟

میں رانجھے کے علاوہ اور کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''اچھا! تو یہ رانجھا کون ہے؟ اس کے ساتھ تمہاری شادی ہوئی ہے؟'' سیدو کھیڑے نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں! میری شادی رانجھے کے ساتھ نہیں ہوئی ہے لیکن میں اس کے علاوہ اور کسی کے ساتھ شادی کروں گی بھی نہیں۔'' ہیر کا خوف اب تھوڑا کم ہوگیا تھا۔ اس نے مرنے مارنے کا فیصلہ کرلیا تھا اس لیے اسے اب کوئی خوف نہیں رہ گیا تھا۔

''ہیرے! لگتا ہے تمہارا یہ رانجھا مرد نہیں ہے۔۔۔ اسی لیے تمہیں ڈولی میں بیٹھے دیکھ کر بھی اس کی غیرت نہیں جاگی تھی۔ اگر وہ تمہارا عشق تھا تو پھر تمہیں ہمارے ساتھ کیسے آنے دیا؟ ایسے ڈرپوک مردوں کے ساتھ عورتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' سیدو کھیڑے نے نفرت سے کہا۔ اس نے رانجھے کو دیکھا نہیں تھا لیکن اس کے قصے ضرور سنے تھے۔ تخت ہزارے کا رانجھا اور اسکی ونجلی پورے جھنگ میں مشہور تھی۔ ہیر سیدو کھیڑے کی بیوی تھی۔ بے شک ہیر اسے تسلیم نہیں کررہی تھی لیکن سیدو کھیڑا تو اسے چار آدمیوں کے ساتھ بیاہ کرلایا تھا۔ وہ اب اس کی غیرت بن چکی تھی۔ وہ رات تو سیدو نے جیسے تیسے کرکے نکالی اور دوسرے دن ہی مسجد کے مولوی کے پاس چلا گیا۔ اس نے مولوی کے سامنے پوری بات رکھی تو مولوی نے ہیر کی بات ماننے سے انکار کردیا۔

''سیدو! مولوی نے تمہارا نکاح پورے گاؤں کے سامنے پڑھایا ہے، اب وہ تمہاری بیوی ہے اور تمہیں اس پر پورا اختیار ہے۔ ہیر اگر اس سے انکار کرتی بھی ہے تو تب بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عورتیں ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہیں، تم اسے مار بھی سکتے ہو۔ ہیر کو اب کوئی اختیار نہیں ہے اس شادی کو توڑنے کا۔۔۔ صرف تم ہی اسے طلاق دے کر فارغ کرسکتے ہو۔'' مولوی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے مولوی صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ، میں اب گھر جاتا ہوں۔'' اس نے مولوی کا شکریہ ادا کیا اور گھر آ گیا۔ گھر آ کر کھیڑے نے مولوی کی تمام باتوں کا ذکر من وعن ہیر سے کردیا لیکن ہیر پھر بھی نہ مانی۔ اس کی نظر میں رانجھے کی محبت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ہیر اس کا ہی انتظار کررہی تھی۔ سیدو کھیڑے کی بہن سیتی تھی۔ ہیر کا شروع شروع میں تو سیتی سے کافی جھگڑا چلتا رہا لیکن پھر دونوں نند اور بھابی کی صلح ہوگئی۔

سیتی خود بھی ایک شخص مراد سے محبت کرنے لگی تھی۔ مراد ایک تاجر تھا جو سیتی کے گاؤں میں اپنا تجارتی سامان فروخت کرنے آیا تھا۔ اس نے سیتی کو دیکھا تو اپنا دل اس کے حسن کے آگے ڈھیر کر دیا۔ سید وکھیڑے کی بہن سیتی پورے رنگپور میں سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ دوسری طرف مراد بھی ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ دونوں کی محبت پروان چڑھنے لگی لیکن پھر کھیڑوں کو پتہ چل گیا اور انہوں نے مراد کو مار مار کر ادھ موا کر دیا اور اسے گاؤں سے باہر جنگل میں پھینک آئے۔ مراد نے رنگپور کو چھوڑنے کی بجائے ادھر جنگل میں ہی ڈیرے لگا دیئے۔ اس نے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائی اور اسی جھونپڑی میں رہنے لگا۔ آتے جاتے مسافر اسے کچھ کھانے کو دے جاتے تو وہ کھا لیتا ورنہ کئی کئی دن تک بھوکا ہی پڑا رہتا۔ مراد بھی سیتی کے عشق میں گھل گھل کر مرنے لگا۔ رانجھا گھومتا گھومتا رنگپور آیا تو اس کی ملاقات مراد سے ہوگی۔ مراد نے رانجھے کو اپنی داستان سنائی تو رانجھے نے اسے دعا دی اور گاؤں چلا آیا۔

''ہے کوئی نیک آدمی جو سادھو کو کھانا کھلائے؟ ہے کوئی نیک آدمی جو سادھو فقیر کو روٹی دے؟'' رانجھے نے ہیر کے دروازے پر آ کر صدا لگائی تو اندر بیٹھی ہیر لرز کر رہ گئی۔ اس نے رانجھے کی آواز پہچان لی تھی۔

اس وقت ہیر کے گھر میں مولوی صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ روزانہ ہیر کے اوپر دم کر کے پھونک مارنے آتے تھے تاکہ ہیر رانجھے کو بھول کر سید وکھیڑے سے محبت کرنے لگے۔ عصر کی نماز کا وقت ہوا تو مولوی صاحب نے ہیر کے گھر میں ہی مصلہ ڈالا اور نماز پڑھنے لگے۔ ادھر مولوی نے نماز کی نیت کی اور ادھر رانجھے کی صدا بلند ہوئی۔ ادھر مولوی نے اللہ اکبر کہہ کر نماز باندھی اور ادھر رانجھے کی دوسری آواز آئی۔ ہیر تڑپ کر اٹھی اور دروازے کی طرف بھاگی۔ مولوی صاحب سامنے ہی نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ان کے آگے سے گزر گئی۔

''گستاخ لڑکی! تمہیں میں نماز پڑھتا ہوا نظر نہیں آیا جو تم میرے آگے سے گزر گئی ہو؟'' مولوی نے نماز توڑ دی اور وہ ہیر کو ڈانٹنے لگے۔

''اے مولوی! تو کیسا عبادت گزار ہے جو دو جہانوں کے مالک کی عبادت کر رہا ہے اور تجھے میں آگے سے گزرتی ہوئی نظر آ گئی؟ جبکہ میں ایک عام خدا کے بندے کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہوں اور مجھے تو نظر ہی نہیں آیا۔ مولوی مجھے تم نظر نہیں آئے لیکن تم مجھے دیکھ رہے تھے۔ اب بتاؤ کس کا عاشق مضبوط ہے؟ تمہارا

عشق یا پھر میرا عاشق؟ مولوی تمہارا عشق صرف دکھلاوا ہے، تم خدا کا نام تو لیتے ہو لیکن اس خدا کو دل میں نہیں رکھتے۔ میں رانجھے کا نام بھی لیتی ہوں اور وہ رانجھا میرے جسم کے انگ انگ میں رہتا ہے۔ یہ عشق ہے مولوی صاحب! جو آپ جیسے دنیاوی عبادت گزاروں کے نصیب میں نہیں ہوتا۔'' ہیر نے اس کے بعد مولوی کی کوئی بات نہیں سنی۔ وہ بھاگ کر باہر آئی تو رانجھا کان چھدوائے جوگیوں کا لباس پہنے ہاتھ میں کاسہ لیے کھڑا تھا۔

''ہیرے! جوگی آیا ہے تمہارے در پر۔۔۔ جوگی کے کاسہ میں کچھ ڈال دے۔'' رانجھے نے ہیر کو دیکھا تو ایک پل کے لئے تو اس کی آواز لڑکھڑائی لیکن پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔

''رانجھنا! کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی؟ ذات کے رانجھے ہو، تخت ہزارے کے چودھری ہوں لیکن آج فقیروں کی سی حالت بنائی ہوئی ہے؟ جوگی بن گئے ہو؟ تم کامے تو پہلے بنے تھے اور آج جوگی فقیر بھی بن گئے ہو۔'' ہیر سے ضبط نہ ہو سکا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''محبت کرنے والے کبھی چوہدری نہیں ہوتے، عشق کی آخری منزل جوگ ہی ہوتی ہیں اور رانجھا جوگی بن گیا ہے۔ آج تیرے در پر خیرات کے لیے رکا ہے، کچھ خیرات دے دے جوگی کو۔۔۔؟'' رانجھے نے ہیر کے پیچھے سہتی کو بھی باہر کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے کاسہ آگے کر دیا۔

''جوگی خیرات کے لیے آیا ہے۔'' رانجھے نے اونچی آواز میں کہا تو ہیر واپس پلٹ کر گھر سے روٹی لانے چلی گئی۔

''اوئے جوگی! یہ کیا بھیس بدلا ہوا ہے؟ ہٹا کٹا جوان آدمی ہے پھر بھی مانگ کر کھانے میں شرم نہیں آتی؟ لوگوں کی بہو بیٹیوں پر گندی نظر بھی ڈالتے ہو۔'' سہتی مزاج کی بڑی تیز تھی۔ اس نے ہاتھ مار کر رانجھے کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاسہ نیچے گرا دیا جو نیچے گرتے ہی چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ کاسہ رانجھے کے گورو گورکھ ناتھ کی نشانی تھی۔ اس کو کچھ عرصہ پہلے ونجلی کا ٹوٹنا یاد آ گیا۔ اس وقت بھی رانجھے کو اتنا ہی دکھ ہوا تھا۔ آج بھی رانجھے کا دل ٹوٹ گیا۔

''تم نے جوگی کا کاسہ توڑا ہے مراداں والئے! جا رانجھے کی بددعا ہے، خدا تجھے بھی بے مراد رکھے گا۔''

رانجھے نے بددعا دی اور گاؤں سے باہر کی طرف جانے والے راستے پر ہولیا۔ سہتی نے جب بے مراد کی بددعا سنی تو وہ ہل کر رہ گئی۔ اس نے ہیر کو جا کر جوگی کی ساری بات بتائی۔

''بھابھی! میں نے جوگی کا کاسہ توڑ کر اچھا نہیں کیا۔ مجھے تو وہ بہت پہنچا ہوا جوگی بھی لگ رہا تھا۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ اگر خدا نے اس کی بددعا قبول کر لی اور میں بے مراد ہی رہ گئی تو میرا کیا ہوگا؟'' سہتی کے ماتھے پر انگنت لکیریں پھیلی ہوئی تھی۔

''بھابھی! وہ جوگی مجھے بددعا دے کر چلا گیا ہے۔'' اس نے فکرمندی سے کہا۔

''سہتی! عشق کرنے والے کبھی کسی کو بددعا نہیں دیتے، میرا رانجھا تجھے کبھی دل سے بددعا نہیں دے گا۔'' ہیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''بھابی! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ وہ رانجھا تھا؟ آپ کا رانجھا؟'' وہ ہیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ہاں سہتی! وہ رانجھا ہی تھا۔ تخت ہزارہ کا رانجھا۔۔۔ جو میرے لئے پہلے کاما بنا اور اب کانوں میں بالیاں ڈالے جوگی بن گیا ہے۔ وہ رانجھا ہی تھا۔۔۔ میرا رانجھا۔'' ہیر کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''بھابھی! کیا؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ یہ تخت ہزارے کا رانجھا تھا؟'' سہتی کو اپنی بھابی ہیر کی باتوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ رانجھے نے جب گاؤں میں ہیر کو دیکھ لیا تو اس نے بھی گاؤں کے باہر جنگل میں ایک کٹیا بنائی اور وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ سہتی نے وہ رات تو جیسے تیسے کر کے کاٹی اور صبح ہوتے ہی ہیر کو لے کر جنگل میں آ گئی۔ وہ دونوں سیدھی رانجھے کی کٹیا کے باہر پہنچ گئیں۔

''جوگی بابا! کل جو آپ نے مجھے بددعا دی ہے اس بددعا کی وجہ سے میں ساری رات سو نہیں سکی ہوں۔ میں بے مراد نہیں رہنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لئے جوگی بابا! میری جھولی میں مراد ڈال دو۔'' سہتی نے رانجھے کو کٹیا سے باہر آتے دیکھا تو اپنی جھولی پھیلا دی۔

''جوگی بابا! میری خالی جھولی کو بھر دیں۔'' سہتی ان سے اپنے مراد کی بھیک مانگ رہی تھی۔

''دیکھ مراداں والئے! تو میری جھولی مراد سے بھر دے، خدا تمہاری جھولی میں بھی مراد ڈال دے گا۔'' رانجھے نے سہتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جوگی بابا! مجھے آپ کی بات کی سمجھ نہیں آئی ہے۔'' سہتی کو رانجھے کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''سہتی! ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔تم ہم دونوں کو ملا دو، خدا تمہیں مراد سے ملا دے گا۔'' رانجھے نے اس بار واضح الفاظ میں کہا۔

''سہتی! میری بہن! مجھے میرے رانجھے سے ملا دو؟'' ہیر نے بھی اپنی جھولی پھیلا دی۔اب سہتی رانجھے کے آگے جھولی پھیلائے کھڑی تھی جبکہ ہیر سہتی کے آگے جھولی پھیلا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''ٹھیک ہے بھابھی! میں کوشش کرتی ہوں۔آج سے ہی میں کوئی نہ کوئی کام کرتی ہوں آپ دونوں کو ملانے کے لیے۔'' سہتی نے ان دونوں سے وعدہ کیا اور واپس گھر آ گئی۔ ہیر بھی اس کے ساتھ ہی واپس آ گئی۔دوسرے دن ہی سہتی نے ایک منصوبہ بنالیا۔اس نے ہیر کو کہا کہ وہ چھری کی مدد سے پیر پر سانپ کے کاٹنے کا نشان بنائے اور پھر زہر کے علاج کے لیے جوگی کو بلا لیا جائے گا۔سہتی نے سارا پروگرام بنا کر رانجھے کو اطلاع کر دی اور دوسرے دن ہی ہیر نے چھری کی مدد سے سانپ کے کاٹنے کے نشان بنائے اور کمرے میں بستر پر لیٹ کر چیخیں مارنے لگی۔

''کیا ہوا؟ کیا ہوا ہے؟'' سیدو کھیڑے نے ہیر کی چیخوں کی آواز سنی تو بھاگ کر کمرے میں آیا جہاں وہ چارپائی پر پڑی تڑپ رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' سیدو کھیڑے نے گھبراتے ہوئے کہا۔پچھلے دو مہینے سے ہیر اس کی غیر شرعی سی بیوی چلی آ رہی تھی۔مولوی نے اس کا نکاح ضرور پڑھایا تھا، وہ ڈولی میں بٹھا کر ہیر کو گھر لایا تھا لیکن ہیر نے کبھی بھی اسے شوہر کا درجہ نہیں دیا تھا۔ ہیر اسے ہاتھ بھی لگانے نہیں دیتی تھی۔سیدو کھیڑا ایک کڑیل جوان تھا۔وہ ہیر کے ساتھ زبردستی بھی کر سکتا تھا لیکن پتہ نہیں کیوں وہ ہیر کے آگے بے بس ہو جاتا تھا۔شاید اسے بھی ہیر سے محبت ہوگئی تھی۔ وہ ہیر کو اپنانا چاہتا تھا لیکن مجبور تھا۔ ہیر کسی اور سے محبت کرتی تھی۔سیدو کھیڑا ایک کڑیل جوان ہوتے ہوئے بھی ایک معصوم سی ہیر کے آگے بے بس ہو گیا تھا۔آج بھی ہیر کی تڑپ نے اسے بوکھلا دیا

تھا۔اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔وہ کمرے میں ہی پیر کی چارپائی کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

''سیدو! ہیر کو سانپ لڑ گیا ہے۔۔۔تم بھاگ کر جوگی بابا کو لے کر آ جاؤ۔وہ آ کر ہیر کو ٹھیک کر دیں گے۔ جاؤ اور بھاگ کر جوگی بابا کو لے کر آ جاؤ ورنہ ہیر مر جائے گی۔'' سہتی نے اپنے بھائی سے جوگی بابا کو لانے کا کہا تو وہ بھاگتا ہوا جوگی بابا کو لانے چلا گیا۔

رانجھا گاؤں کے باہر ہی کھڑا سیدو کھیڑے کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے جیسے ہی سیدو کھیڑے کو آتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھنے لگا۔

''بچہ! کیوں پریشانی کی حالت میں بھاگا چلا آ رہا ہے؟'' رانجھے نے اپنی آواز کو رعب دار بناتے ہوئے کہا۔

''جوگی بابا! جوگی بابا! میری بیوی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔آپ جلدی سے میرے ساتھ آئیں اور ہیر کا علاج کریں ورنہ وہ مر جائے گی۔'' سیدو کھیڑا رانجھے کو بتاتے بتاتے رونے لگ پڑا۔

''ارے بچے! روتے نہیں ہیں، چلو میرے ساتھ! میں تمہاری بیوی کو دیکھ لیتا ہوں اور اس کا علاج بھی کر دوں گا۔'' رانجھے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور وہ دونوں گاؤں کی طرف چل پڑے۔ گھر میں ہیر اونچی اونچی آواز میں چیخ رہی تھی۔رانجھا کمرے میں آیا اور وہ ہیر کا پیر دیکھنے لگا۔

''بچہ! اسے تو کالے کوبرا سانپ نے ڈسا ہوا ہے، جو سانپوں کا سردار ہوتا ہے۔اس کے لئے تو مجھے پوری رات عمل کرنا پڑے گا۔۔۔پھر ہی وہ واپس آئے گا اور ہیر کا زہر چوسے گا۔بچہ! یہ بہت مشکل کام ہے۔'' رانجھے نے پراسرار لہجے میں کہا۔

''جوگی بابا! آپ عمل کریں اور کسی بھی طریقہ سے میری بیوی کی جان بچا لیں، میں آپ کو خوش کر دوں گا۔جتنے پیسے آپ بولو گے میں دینے کے لیے تیار ہوں، بس میری بیوی کی جان بچا لیں۔'' سیدو کھیڑے نے رانجھے کے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بچہ! میں عمل کروں گا لیکن میرے اس عمل کے لیے ایک کنواری دوشیزہ کی ضرورت پڑے گی جو میرے اور ہیر کے ساتھ اس کمرے میں رہے گی۔جیسے ہی کوبرا سانپ واپس آئے گا وہ پہلے

دودھ پیئے گا۔اس کے بعد ہی وہ ہیر کا زہر چوسے گا۔دودھ وہ سانپ صرف کنواری دوشیزہ کے ہاتھ سے ہی پیئے گا۔تم دودھ اور لڑکی کا انتظام کرو!'' رانجھے نے اوپر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا جی! میری بہن سہتی بھی تو کنواری ہی ہے۔یہ سانپ کو دودھ کا پیالہ پیش کر دے گی۔''

''جا سہتی! جلدی سے دودھ لے کر آجاؤ تا کہ جوگی بابا ابھی سے اپنا عمل شروع کر دیں۔'' اس نے سہتی کو دودھ لانے کا کہا تو سہتی جلدی سے گئی اور دودھ کا پیالہ لے کر آ گئی۔

''ٹھیک ہے سیدو! تم اب اس کمرے سے باہر چلے جاؤ اور دروازہ باہر سے بند کر کے عبادت شروع کر دو۔تم نے کمرے کے باہر پہرہ بھی دینا ہے اور عبادت بھی کرنی ہے۔اندر چاہے کچھ بھی ہو جائے تم نے اندر نہیں آنا اور نہ ہی کسی اور کو آنے دینا ہے۔اگر تم فجر کی اذان سے پہلے کمرے میں آ گئے تو ہیر کے ساتھ ساتھ ہم سب بھی مارے جائیں گے۔میرے موکل کسی دوسرے مرد کو دیکھتے ہی بے قابو ہو جاتے ہیں اور پھر وہ سب کو مار دیں گے۔'' رانجھے نے سیدو کھیڑے کو ڈراتے ہوئے کہا۔

''جی جی! جوگی بابا! میں ابھی کمرے کے باہر چلا جاتا ہوں اور پوری رات دروازے پر پہرہ دیتا رہوں گا، کوئی بھی آدمی صبح تک اندر نہیں آئے گا۔'' سیدو نے رانجھے کو یقین دہانی کرائی اور کمرے سے باہر آ گیا۔اس نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا اور باہر دروازے پر ہی بیٹھ کر عبادت کرنے لگا۔

رانجھے نے اندر سے دروازے کو کنڈی لگائی اور بین بجانے لگا۔دوسری طرف ہیر اور سہتی نے کمرے میں چھپائی گئی کدالیں باہر نکالیں اور دونوں نے کمرے کی دیوار میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔بین کی اونچی آواز کمرے میں گھونج رہی تھیں اس وجہ سے کدالوں کی آواز باہر نہیں جا رہی تھی۔ویسے بھی اگر آواز باہر جاتی تو پھر بھی سیدو کھیڑے نے کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔اس کے حواسوں پر تو صرف ہیر ہی چھائی ہوئی تھی۔اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ہی ہیر کے حسن نے صلب کر لی تھیں۔اس زمانے میں سارے مکانات کچی اینٹوں سے ہی بنائے جاتے تھے۔ہیر اور سہتی نے آدھے گھنٹے میں ہی کمرے کی دیوار میں سوراخ کر لیا۔رانجھے نے بین بجانا بند کیا اور وہ دونوں لڑکیوں کو لے کر سوراخ سے باہر آیا اور وہ سب تیز تیز جنگل کی طرف جانے لگے۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور سارے گاؤں والے گھروں میں دبکے پڑے تھے۔ کسی نے بھی رانجھے کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سارے آسانی سے جنگل میں پہنچ گئے۔ جہاں پہلے ہی مراد ان کے انتظار میں کھڑا تھا۔ رانجھے نے سہتی کو مراد کے حوالے کیا اور خود ہیر کو لے کر چناب کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ وہ جلد سے جلد اس گاؤں سے بہت دور نکل جانا چاہتے تھے۔ وہ دونوں رات کے اندھیرے میں ہی آگے بڑھنے لگے۔ دوسری طرف سے سیدو کھیڑے نے کمرے میں بین کی آواز بند ہوتے دیکھی تو پریشان ہو گیا لیکن پھر اس نے سوچا شاید جوگی سانپ کو بلانے کے لیے مراقبے میں چلا گیا ہے۔ اس نے بھی اپنی عبادت تیز کر دی۔ دوسرے دن صبح صبح سب سے پہلے سیدو کھیڑے کی ماں گھر آئی۔ وہ ساتھ والے گھر میں سیدو کے بڑے بھائی کے گھر گئی تھی۔ صبح اس نے سیدو کھیڑے کو ہیر کے کمرے کے باہر کھڑے دیکھا تو پوچھنے لگی۔ سیدو نے ماں کو ساری بات بتائی تو وہ آگے بڑھ کر ہیر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی لیکن وہ یہاں ہوتے تو دروازہ کھولتے؟ دونوں ماں بیٹا کچھ دیر تک تو ایسے ہی دروازہ کھٹکھٹاتے رہے لیکن جب دوسری طرف سے کوئی بھی جواب نہ ملا تو انہیں فکر لاحق ہو گئی۔

اتنی دیر میں سیدو کے بھائی اور ابا بھی آ گئے۔ انہیں بھی جب یہ بات بتائی گئی تو ان سب نے مل کر دروازہ توڑ دیا۔ اندر کمرے میں ٹوٹی ہوئی دیوار دیکھ کر انہیں حقیقت کا پتہ چلا کہ جوگی بابا دونوں لڑکیوں کو بھگا کر لے گیا ہے۔ رنگپور پورا گاؤں ہی کھیڑوں کا تھا۔ ایک جوگی ان کی بہو اور بیٹی کو اٹھا کر لے گیا تھا، یہ چیز ان کی غیرت کو للکار رہی تھی۔ وہ لوگ فوراً گھوڑوں پر بیٹھے اور گاؤں کے چاروں طرف پھیل کر انہیں تلاش کرنے لگے۔ دوسری طرف سہتی اور مراد نے تو دریائے چناب کو ایک کشتی کی مدد سے پار کیا اور دوسری طرف نکل گئے۔ جبکہ رانجھا ہیر کو لے کر جنگل کے اندر ہی اندر چل رہا تھا۔ وہ دونوں رنگپور کی حدود سے باہر نکل گئے تھے۔ وہ اب جھنگ شہر کی طرف جا رہے تھے۔ جلد ہی کھیڑوں نے دونوں کو تلاش کر لیا۔

وہ چونکہ پیدل تھے اور کھیڑے گھوڑوں پر سوار تھے اس لیے کھیڑوں نے ان کو جھنگ شہر سے پہلے ہی پکڑ لیا۔ انہوں نے اسی جگہ پر رانجھے کو مارنا شروع کر دیا۔ اس زمانے میں جھنگ شہر پر نواب بہلول کی حکومت تھی۔ نواب بہلول کے سپاہی شہر کے باہر گشت کر رہے تھے۔ انہیں کھیڑے رانجھے کو مارتے ہوئے نظر آ گئے۔ سپاہیوں نے جا کر کھیڑوں کو پکڑ لیا۔ رانجھے کی حالت مار کھا کھا کر بالکل خراب ہو چکی تھی۔ کھیڑے ہیر کو اپنے ساتھ واپس رنگپور لے جانا چاہتے تھے لیکن ہیر نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ آخر یہ سارا

معاملہ نواب بہلول کے دربار میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور سپاہی سارے لوگوں کو پکڑ کر نواب بہلول کے دربار میں آ گئے۔ دربار میں نواب بہلول نے سارا کیس سنا تو وہ رانجھے کی طرف غصے سے دیکھنے لگا۔

''کیوں جوگی! کیا یہ سچ ہے کہ تو نے کھیڑوں کی بہو کو گھر سے بھگایا ہے؟'' نواب نے غصے سے پوچھا۔

''اے جھنگ کے نادان بادشاہ! ہم پیار کرنے والے لوگ ہیں۔ ہیر اور رانجھا کے عشق کی داستان سے تو پورا جھنگ واقف ہے۔ یہ ہیر کیسے کسی اور کی بیوی بن سکتی تھی؟'' رانجھے نے اپنے مخصوص انداز سے کہا۔

''جوگی! تم اس وقت نواب بہلول کے دربار میں کھڑے ہو، اس لئے عزت کرو ورنہ تمہاری گردن تن سے الگ ہو جائے گی۔'' نواب بہلول کے وزیر نے رانجھے کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''نواب صاحب! ہیر کی شادی ہمارے بیٹے سیدو کھیڑے سے ہوئی ہے۔ ہیر کا نکاح قاضی نے ہی پڑھایا ہے اور ہم اسے ڈولی میں بٹھا کر رنگپور لائے ہیں۔ یہ ہماری بہو ہے لیکن اس جوگی نے اس پر کالا جادو کر دیا ہے، اس لیے یہ جوگن بن رہی ہے۔ آپ ہمارے آقا اور بادشاہ ہیں ہمیں آپ کی عدالت سے انصاف کی توقع ہے۔ آپ ہیر کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں، بے شک اپنے سپاہی بھی ہمارے ساتھ رنگ پور بھیج دیں۔ وہ گاؤں سے تصدیق کر لیں گے کہ واقعی ہیر کی شادی ہمارے بیٹے سیدو کھیڑے سے ہی ہوئی ہے۔'' سیدو کے باپ نے آگے بڑھ کر نواب بہلول سے کہا۔ اس زمانے میں نکاح صرف مولوی پڑھاتا تھا اور اس کے لیے کوئی کاغذی کارروائی نہیں ہوتی تھی۔

''ٹھیک ہے، ہم جوگی کو زندان میں پھینکنے کا حکم دیتے ہیں اور ہیر کو یہیں محل میں رکھنے کا۔ ہمارے سپاہی رنگپور جائیں گے اور تصدیق کر کے آئیں گے۔ اگر ہیر کی شادی سیدو کھیڑے سے ہوئی ہے تو ہیر کو رنگ پور بھیج دیا جائے گا اور رانجھے کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ نواب بہلول کا انصاف ہے۔'' نواب نے اپنا دایاں ہاتھ اوپر فضا میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت سپاہیوں کا ایک دستہ رنگ پور روانہ ہو گیا اور رانجھے کو زندان میں پھینک دیا گیا۔ اب رانجھے کی قسمت کا فیصلہ دوسرے دن سپاہیوں کی واپسی پر ہی ہونا تھا۔ رانجھے نے نواب بہلول کو بہت سمجھایا کہ وہ دو پیار کرنے والوں کے درمیان نہ آئے لیکن نواب بہلول نے اس کی ایک

نہ سنی اور اسے زندان میں پھینک دیا۔

''نواب! آج تو نے دو دلوں کو توڑا ہے، جس بادشاہی کا غرور کر رہا ہے وہ غرور خاک میں مل جائے گا۔ تیری نوابی تیری ریاست تیری بادشاہت سب ختم ہو جائے گی۔ میں ذات کا رانجھا ہوں لیکن بارہ سال کی ریاضت نے میری دیکھنے کی صلاحیت بڑھا دی ہے۔ میں تیری ایسا ریاست کو جلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔'' رانجھے نے اونچی آواز میں کہا اور جلاد کے ساتھ چلتا ہوا زندان کی طرف چلا گیا۔

اسی رات نواب کو خواب میں آگ نظر آئی تو اسکی آنکھ ڈر سے کھل گئی۔ وہ بھاگ کر جلدی سے خواب گاہ سے باہر آیا تو پورے محل میں ہی ایک پراسرار آگ جل رہی تھی۔ یہ رانجھے کی بددعا کی آگ تھی جو نواب کے محل کو جلا رہی تھی۔ اسے ہیر رانجھے کی محبت کا یقین آ گیا اور وہ بھاگتا ہوا زندان کی طرف گیا جہاں رانجھا زنجیروں سے جکڑا ہوا کھڑا تھا۔ اس نے جلدی سے رانجھے کی زنجیریں کھلوائیں اور اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''جوگی مہاراج! مجھے معاف کر دیں، مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ مجھے معاف کر دے جوگی مہاراج!'' نواب بہلول نے رانجھے کے پیر پکڑ لیے۔

''جاؤ نواب صاحب! عاشق لوگ کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیتے۔ ہم نے تجھے معاف کیا۔۔۔ خدا تمہیں اور تمہاری ریاست کو قائم رکھے۔ تمہاری ریاست میں موسلا دھار بارشیں ہوں، جانور اور فصلیں خوب پھلیں پھولیں۔ جاؤ نواب بہلول! یہ ایک جوگی کی دعا ہے تمہیں۔۔۔ ایک عشق کی دعا۔'' رانجھے نے ایک ہاتھ کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

''بہت بہت شکریہ مہاراج! آج سے آپ ہمارے مہمان ہیں، آپ دونوں ہمارے شاہی مہمان ہیں۔'' نواب اسے لے کر محل میں آ گیا۔ باہر لگی ہوئی آگ بجھ چکی تھی اور وہاں اب بارش ہو رہی تھی۔ انتہائی تیز اور موسلا دھار بارش نے نواب کو جوگی کی کرامات کا قائل کر دیا۔

''ٹھیک ہے نواب صاحب! ہمیں اب جانا ہے۔ تمہاری میزبانی کا بہت بہت شکریہ!'' رانجھے کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ وہ یہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ جلد از جلد اپنے گاؤں تخت ہزارے چلا جانا چاہتا تھا۔

''مہاراج! رات کے اس وقت آپ کہاں جائیں گے؟ باہر بارش بھی بہت ہو رہی ہے۔ آپ آرام سے رات یہیں میرے محل میں گزاریں، صبح جہاں آپ کہیں گے میرے سپاہی پہنچا آئیں گے۔'' نواب نے دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے نواب صاحب! ہم دونوں آپ کے محل میں رک جاتے ہیں اور کل صبح صبح یہاں سے نکل جائیں گے۔'' رانجھے نے رضامندی میں سر ہلایا اور وہ دونوں رات کو محل میں ہی رک گئے۔

دوسرے دن صبح صبح ہی ہیر کے والد چوچک سیال اور کیدو بھی محل میں آ گئے۔ انہیں کل ہی اطلاع مل گئی تھی کہ ہیر رانجھے کے ساتھ گھر سے بھاگتی ہوئی پکڑی گئی ہے۔ وہ لوگ رات کو ہی گاؤں سے نکلے اور صبح صبح ہی نواب کے دربار میں پہنچ گئے۔

''نواب صاحب! ہیر ہماری بیٹی ہے، یہ اگر ایسے ہی رانجھا کے ساتھ چلی جاتی ہے تو یہ اس سے ہماری بدنامی ہوگی۔ ہم اپنی بیٹی کو باقاعدہ شادی کر کے ڈولی میں رخصت کرنا چاہتے ہیں۔'' چوچک سیال نے نواب بہلول کے دربار میں کھڑے ہو کر کہا۔

''کیا کہتے ہیں آپ جوگی مہاراج! آپ ہیر کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں یا پھر اس کے باپ کے ساتھ بھیجنا چاہتے ہیں؟'' نواب بہلول نے رانجھے سے سوال کیا۔ وہ رانجھے کی مرضی کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''نواب صاحب! رانجھا بارات لے کر آئے اور ہماری بچی کے ساتھ نکاح کر کے لے جائے، ہمیں اس سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہم صرف اپنی بچی کو بارات کے ساتھ بھیجنا چاہتے ہیں۔'' اس بار کیدو نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''نواب صاحب! مجھے ان لوگوں پر یقین نہیں ہے، یہ لوگ بعد میں ہیر کو میرے ساتھ نہیں بھیجیں گے۔'' رانجھے کے لہجے میں ابھی تک انکار جھلک رہا تھا۔

''جوگی بابا! ان لوگوں کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ یہ لوگ میرے احکامات نہ مانیں۔ اگر ان میں سے کسی نے بھی چالاکی کی تو میں اس کی کھال اتروا کر اس میں بھس بھروا دوں گا۔ آپ اس طرف سے کوئی فکر نہ

کریں۔'' نواب بہلول نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''ہیرے! آج تو اتنی بے دید ہوگئی ہے کہ آج اپنے باپ کی بات پر بھی یقین نہیں کر رہی ہے؟ آج اپنے باپ کی عزت کو بھی مٹی میں رول رہی ہے؟ تمہارا باپ تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ وہ صرف تمہیں عزت سے رخصت کرنا چاہتا ہے۔'' کیدو نے ہیر سے کہا۔ اس کے لہجے میں طنز چھپا ہوا تھا۔ وہ ہیر پر طنز کر رہا تھا جس نے آج اپنے باپ کو بھرے دربار میں رسوا کر دیا تھا۔

''رانجھے! میں اپنے باپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ تم تخت ہزارے جاؤ اور بارات لے کر آؤ، میں اب ڈولی میں بیٹھ کر ہی تخت ہزارے جانا چاہتی ہوں۔'' ہیر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

رانجھا خاموش ہو گیا وہ ہیر کی کسی بھی بات سے اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔ اسی دن ہیر اپنے والد چوچک سیال کے ساتھ چلی گئی جبکہ رانجھا اپنے گاؤں چلا گیا۔ رانجھے کے بھائی اور بھابھیوں نے جب رانجھے کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ وہ سارے لوگ ہی رانجھے کے اپنے تھے اور وہ سارے ہی رانجھے سے محبت کرتے تھے۔ رانجھے نے انہیں ہیر کے متعلق بتایا اور وہ لوگ شادی کی تیاریاں کرنے لگے۔ تین دن بعد شادی کی تاریخ تھی۔ رانجھا بارات لے کر ہیر کہ گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف ہیر دلہن بن گئی۔ چوچک سیال نے اس بار دل سے رانجھے کو داماد مان لیا تھا۔ وہ ہیر کا رشتہ اس سے کر دینا چاہتا تھا۔ رانجھے کا خاندان ان کے خاندان سے اونچا تھا۔ وہ تخت ہزارے کے چوہدری تھے اس لیے چوچک سیال اس رشتے سے مطمئن تھا۔

ہیر کے گھر میں شادی کی رونقیں عروج پر تھیں۔ پورا گاؤں ہی اس شادی میں خوش نظر آ رہا تھا لیکن ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو اس شادی سے خوش نہیں تھا۔ اسے اس شادی سے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس چیز کی غیرت مار رہی تھی کہ اس کی بھتیجی کو جوگی کا ما بیاہ کر لے جا رہا تھا۔ چوچک سیال نے بڑی دفعہ کیدو کو سمجھایا کہ وہ بھی اب اس شادی کو مان لے لیکن کیدو کا غصہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کسی بھی حالت میں اس شادی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے بعد اب کوئی بھی نہیں مان رہا تھا۔ نواب بہلول کے سپاہی شادی میں موجود تھے۔ انہیں نواب نے خاص طور پر بھیجا تھا تاکہ کوئی بھی شادی میں رکاوٹ نہ پیدا کرے۔

کیدو کی کسی بھی جگہ پر پیش نہ گئی تو اس نے ایک آخری فیصلہ کر لیا۔ اسے رانجھے سے حد سے زیادہ

نفرت تھی۔ رانجھے نے اس کے خاندان کو بدنام کیا تھا، سیالوں کی عزت مٹی میں ملائی تھی۔ کیدو نے آخری حد تک جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے ایک پنساری سے زہر لیا اور اس زہر کو مٹھائی میں مکس کر کے لڈو بنا لیے۔ رانجھے کی بارات گاؤں آ گئی۔ بارات کو ایک احاطے میں ٹھہرایا گیا اور مہمانوں کی تواضع شربت سے کی گئی۔ مولوی صاحب رانجھے کے نکاح کی اجازت لینے ہیر کے پاس آ گئے۔ مولوی صاحب کے ساتھ ساتھ ہی کیدو بھی کمرے میں آ گیا۔

''آ جاؤ کیدو اور اپنی بھتیجی کی شادی کو دل سے قبول کرلو!'' چوچک سیال نے کیدو کو دیکھا تو خوش دلی سے ملا۔

''جی بھائی صاحب! آپ اب رانجھے سے دشمنی چھوڑ دیں اور دل سے اسے جوائی قبول کرلیں۔ رانجھا اب ہمارے گاؤں گھر کا جوائی بن رہا ہے۔'' ہیر کی ماں مالکی نے بھی اپنے شوہر کی تائید کی۔

''بھائی! بھابھی! ایک بار سیدے کھیڑے سے ہیر کی طلاق لے لیتے اور پھر شادی کر لیتے تو یہ زیادہ بہتر تھا۔'' کیدو پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔

''ارے بھائی صاحب! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں؟ جب میری بیٹی کی شادی نہیں ہوئی تھی تو طلاق کس چیز کی لیں؟ تم لوگوں نے زبردستی میری بیٹی کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ زبردستی اس کا نکاح سیدو کھیڑے سے کروایا تھا۔ میں اب یہ زیادتی دوبارہ نہیں ہونے دونگی۔'' ہیر کی ماں غصے سے بولی۔

''ٹھیک ہے بھابھی جی! میں اس شادی سے راضی ہوں۔ اگر آپ لوگ اس شادی سے خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں۔'' کیدو نے مکاری سے کہا۔

''مولوی صاحب! بسم اللہ کیجئے۔'' چوچک سیال نے مولوی کو نکاح کے لیے کہا تو مولوی صاحب آگے آ گئے۔

''ہیر بنت چوچک سیال! تمہارا نکاح شرعی حق مہر سوا بتیس روپے تید ورانجھے بن موجو چوہدری سکنہ تخت ہزارے کیا جاتا ہے، کیا تمہیں قبول ہے؟'' مولوی کی آواز کمرے میں گونجی تو ہیر کے انگ انگ میں خوشی اور سرور کی لہر دوڑ گئی۔ وہ آج رانجھے کے نام ہونے جا رہی تھی، آج محبت جیت رہی تھی۔'' اس نے

بآواز بلند رانجھے کا نکاح قبول کیا۔ مولوی صاحب نے تین بار اس سے نکاح کی اجازت مانگی اور اثبات میں جواب لیکر چوچک سیال کے ساتھ بارات کی طرف چلا گیا۔ وہ اب رانجھے کا نکاح پڑھانے جا رہا تھا۔ کیدو ادھر ہیر کے کمرے میں ہی رک گیا۔ اس نے اپنی جیب سے لڈو نکالا اور ہیر کی طرف بڑھایا۔

''بیٹی! شادی کی خوشی میں منہ میٹھا کرو!'' کیدو پر خیال نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''چاچا! مجھے معاف کر دیں، جانے انجانے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہو جس کی وجہ سے آپ کا دل دکھا ہو تو میں آپ سے اس کی معافی مانگتی ہوں!'' ہیر نے اس سے معافی مانگتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں بیٹی! میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہے۔ تم منہ میٹھا کرو اور خوش رہو سدا سہاگن رہو۔'' کیدو نے زہریلا لڈو ہیر کی طرف بڑھایا تو ہیر نے اسے پکڑ کر منہ میں ڈال لیا۔ وہ پورا لڈو کھا گئی۔ کیدو کا لڈو انتہائی زہریلی تھا۔ لڈو نے ہیر کے حلق سے نیچے اترتے ہی اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ ہیر کو سب سے پہلے میدے میں درد شروع ہوئی جو آہستہ آہستہ پورے جسم میں پھیلنی شروع ہوگی۔

''امی! میرا کلیجہ کٹ رہا ہے، میرا پورا جسم اندر سے کٹ رہا ہے۔'' ہیر کے منہ سے جھاگ نکلنے لگی۔

''او کیدو! خدا تجھے غارت کرے۔۔۔ تو نے میری بیٹی کو زہر دے دیا؟'' ہیر کی ماں کے منہ سے نکلا اور اس نے جلدی سے اپنی بیٹی کا سر پکڑ کر اسے گود میں لے لیا۔

''امی! مجھے بڑا درد ہو رہا ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی میرے جسم کو اندر سے کاٹ رہا ہے۔ امی! میں مر رہی ہوں۔'' ہیر کے منہ سے اٹک اٹک کر بات نکل رہی تھی۔ کیدو کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ باہر نہیں رکا بلکہ وہ گھر سے ہی باہر چلا گیا۔

''امی! ایک بار رانجھے کو جا کر دیکھ لیں، مولوی کو کہنا کہ نکاح جلدی پڑھائے۔۔۔ میں سہاگن مرنا چاہتی ہوں۔'' ہیر نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر کی طرف اشارہ کیا۔

''رانجھے!'' ہیر نے ایک زوردار چیخ ماری۔ دوسری طرف مولوی نے رانجھے کو کلمے پڑھائے اور رانجھے کا نکاح پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ نکاح کا خطبہ جیسے ہی ختم ہوا اسی وقت رانجھے کو ہیر کی چیخ سنائی دی۔ بارات ہیر کے گھر کے ہمسائے میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہیر کی چیخ کی آواز وہاں تک آئی تو رانجھا جلدی سے اٹھ کر کھڑا

ہو گیا۔ وہ بھاگتا ہوا ہیر کے کمرے میں آیا جہاں ہیر زہر کے اثر سے تڑپ رہی تھی۔ رانجھا جلدی سے آگے بڑھا اور اس نے ہیر کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

''ہیرے! یہ کیا ہو گیا ہے؟ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا، پھر یہ کس کی نظر لگ گئی؟ ہماری محبت ادھوری کیوں رہ گئی؟'' رانجھا ہیر کا سر گود میں لئے رونے لگا۔

''رانجھے! نکاح ہو گیا ہے۔'' ہیر کے حلق سے انتہائی آہستہ سی آواز نکلی جو شاید رانجھے کے کانوں تک پہنچی تھی لیکن رانجھا اس سے پہلے ہی مر چکا تھا۔

ہیر کی بات کا کوئی جواب نہ مل سکا، وہ اس سے پہلے ہی مر چکا تھا۔ رانجھا ہیر کا سر گود میں لیے ہیر سے پہلے مر گیا۔ ہیر کی آخری خواہش سہاگن مرنے کی تھی لیکن وہ بیوہ مر رہی تھی۔ موت کا فرشتہ نیچے دونوں کی روح قبض کرنے آیا تھا۔ اسے دونوں کی روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن وہ یہاں رانجھے کو پہلے لے گیا۔ رانجھا ہیر کا درد برداشت نہیں کر سکا تھا اور وہ وہیں بیٹھے بیٹھے مر گیا۔ رانجھے کے فوراً بعد ہیر بھی مر گئی۔ دونوں پیار کرنے والے ایک دوسرے کی باہوں میں مر گئے۔ دنیا والے انہیں دنیا میں تو الگ الگ کرتے رہے لیکن مرنے کے بعد دونوں اکٹھے ہو گئے۔ ہیر اور رانجھے کی محبت امر ہو گئی۔ وہ دونوں مر گئے لیکن ان کی کہانی امر ہو گئی جو آنے والی کئی صدیوں تک امر رہے گی۔ ہیر اور رانجھے کی محبت پر کئی داستانیں لکھی گئیں۔ کئی شعرا نے ہیر رانجھے کی محبت پر شاعری کتابیں لکھیں، شعر اور غزلیں لکھی گئیں۔

کیدو کے زہریلے لڈو نے دونوں پیار کرنے والوں کی جان تو لے لی لیکن وہ محبت کو امر ہونے سے نہ روک سکا۔ یہ محبت آج بھی پاکستان اور انڈیا کے معاشرے میں نظر آتی ہے۔ ہیر رانجھے کی محبت پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔ یہ آج بھی کسی نہ کسی زاویے سے ہماری فلموں ڈراموں یا گانوں میں نظر آتی ہے اور یہ ہمیشہ ایسے ہی چلتی رہے گی۔ میں اپنی داستان کو یہاں ختم کرتا ہوں اور اپنے ان نوجوان بچے بچیوں سے گزارش کرتا ہوں جو نام تو ہیر رانجھے کی مقدس محبت کا لیتے ہیں لیکن اس محبت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیتے ہیں۔ محبت صرف حاصل کرنے کا نام ہی نہیں ہے۔ کامل عشق وہی ہوتا ہے جو محبوب کی عزت کرتا ہے، جو محبوب کے نام پر بارہ سال بھینسیں چرا کر بھی کبھی صلہ نہیں مانگتا۔ ہیر رانجھا پنجاب کی سب سے مشہور ترین لوک داستان ہے۔ یہ زیادہ تر پنجابی زبان میں ہی لکھی گئی ہے۔ میں نے اسے اردو زبان میں لکھا ہے تا کہ ہیر

رانجھے کی داستان پنجاب سے باہر نکل کر پاکستان اور انڈیا کے دوسرے صوبوں تک بھی پہنچ سکے۔ ہماری ثقافت ہماری لوک داستانیں پنجاب سے باہر بھی لوگوں کو معلوم ہوں۔

کتاب پسند آئے تو اپنے دوستوں اور پیار کرنے والوں سے ضرور شیئر کیجئے اور کسی بھی تعریف یا تنقید کے لیے مصنف سے براہ راست رابطہ بھی کر سکتے ہیں۔ مصنف آپ کے اچھے اور برے سبھی تبصرات کا منتظر ہوگا۔ اپنی قیمتی آراء سے ضرور نوازیں۔ شکریہ!

رضوان علی گھمن

رضوان علی گھمن اردو کے نئے ناول نگار ہے۔انہوں نے رومانس، ایکشن، تھرلر اور ایڈونچر ہر قسم کے ناول لکھے ہیں۔ان کے کریڈٹ پر کچھ سفرنامے بھی ہیں جو ایران، ترکی، یورپ اور امریکہ کے غیر قانونی مہاجرین کے سفر پر مشتمل ہے۔رضوان علی گھمن خود بھی مہاجر ہیں اور جرمنی اور اٹلی کے مختلف مہاجر کیمپوں میں رہ چکے ہیں۔ان کے تمام ناولز انٹرنیٹ پر موجود ہیں جہاں سے فری ڈاؤن لوڈ کر کے قارئین انہیں پڑھ سکتے ہیں۔یا پھر لکھاری کو براہِ راست ای میل یا وٹس اپ پر میسج کر کے فری پی ڈی ایف فائل حاصل کر سکتے ہیں۔رضوان علی گھمن کے چند مشہور ترین ناولز درج ذیل ہیں۔

دوسرا خدا

یہ بہاولپور کے صحراؤں میں لکھی گئی ایک رومانوی داستان ہے۔ایک ایسی لڑکی کی داستانِ حیات جو تیس ہزار میں بک گئی تھی۔ایک شادی شدہ غلام عورت کی داستان جسے ایک نوجوان لڑکے سے محبت ہوگئی تھی۔

مہاجر

یہ ناول ایران سے ترکی تک کا سفرنامہ ہے۔بغیر ویزے کے ایجنٹوں کے ذریعے یورپ جانے والے پاکستانی مہاجرین کی داستان ہے۔اپنے پیاروں کو یورپ کے تاریک سفر پر بھیجنے سے پہلے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کر لیں۔

کالا چاند

یہ ناول سکندرِ اعظم کی سرزمین یونان میں بسنے والے پاکستانی تارکین وطن کی کہانی بیان کرتا ہے۔یورپ کے ایسے ملک کی داستان جس کے ہر گلی محلے میں آپ کو پاکستانی گھومتے نظر آئیں گے۔

27140 کلومیٹر

اس ناول میں جرمنی سے امریکہ تک کا کٹھن سفر بیان کیا گیا ہے۔ یہ محبت کی تلاش میں ستائیس ہزار کلومیٹر کا سفر طے کرنے والے ایک سچے عشق کی داستان ہے۔اس ناول میں میکسیکو اور امریکہ کے درمیان بارڈر پر بنی ہوئی دیوار اور دریائے ریوگرانڈے کا بارڈر کراس کرنے کی ساری روداد بیان کی گئی ہے۔ایسا بارڈر جسے کراس کرنے کی حسرت لئے ہزاروں نوجوان اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

چانسلر

اس ناول میں جرمنی میں پاکستانی ایجنسی ISI کے خفیہ کارناموں کی داستان ہے۔ یہ ایک ایسے ایجنٹ کی کہانی ہے جو جرمنی میں پاکستانی مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ ان گمنام مجاہدوں کی داستان ہے جو ملک سے باہر ملک کے لئے جان دے دیتے ہیں۔

سرائیکی ٹرمپ

یہ امریکی صدر کے اغوا کی ایک فکشن داستان ہے۔ یہ امریکی صدر کے افغانستان سے اغوا اور انہیں پاکستان لانے کی داستان ہے۔ایک ایسی کہانی جو آپ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دے گی۔

رضوان علی گھمن کی کسی بھی کتاب کو پڑھنے کے لیے آپ ان سے براہِ راست رابطہ کر سکتے ہیں۔ان سے نئی کتاب کی معلومات یا پرانی کتابوں کے ڈاونلوڈ لنک لے سکتے ہیں۔اس کے علاوہ اگر آپ کو انٹرنیٹ سے کتاب ڈاؤنلوڈ کرنے میں دشواری پیش آتی ہے تو آپ مصنف سے نیچے دیئے گئے وٹس اپ نمبر پر رابطہ کر کے کسی بھی کتاب کی پی ڈی ایف فائل بھی منگوا سکتے ہیں۔

برائے رابطہ: رضوان علی گھمن

Whatsapp: *0049-152-1122-9099*

Email: *rizwanalighuman@gmail.com*

رضوان علی گھمن کا نام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا، ہر خاص و عام ان کے نام اور مقام سے واقف ہے۔ آپ بہاولپور کے ایک ریگستانی گاؤں میں پیدا ہوئے اور پچھلے گیارہ سال سے جرمنی میں مقیم ہیں۔ آپ کی مصروفیات میں ناول نویسی، کالم نگاری اور شاعری شامل ہیں۔

رضوان علی گھمن آج کے ممتاز ترین اردو ناول نگار ہیں اور ان کا رومانوی داستانوں اور سفرناموں کو پیش کرنے کا اپنا ایک منفرد انداز ہے۔ ان کی تحریروں میں تاریخی حقائق اور افسانوی رومانس کا بھی حسین امتزاج پایا جاتا ہے جو کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتا۔ رضوان علی گھمن کا زیادہ تر کام رومانوی اور فکشن ناولوں پر مشتمل ہے۔

اگرچہ رضوان علی گھمن نے اور بھی بہت سے ناول لکھے اور مختلف ملکی و بین الاقوامی اخبارات میں کالم بھی لکھتے رہتے ہیں لیکن ''دوسرا خدا'' سیریز انکی پہچان کا باعث بنا۔ ''دوسرا خدا'' سیریز میں انہوں نے نئے نئے کردار متعارف کروائے اور رومانوی ناولوں کو ایک نئی جہت دی۔ کئی ناول بہت ہی اچھوتے موضوع اور انداز میں لکھے، جن میں ''زرداری'' ''چانسلر'' اور ''سرائیکی ٹرمپ'' کے نام مثال کے طور پر لئے جاسکتے ہیں۔

اپنے تبصرات اور مفید مشوروں کے لئے مصنف سے براہِ راست رابطہ کریں۔ کتاب اگر پسند آتی ہے تو اپنے دوستوں اور پیاروں کو ضرور مینشن کریں۔ کتاب کو آگے شیئر کر کے مصنف کے قلم کا حق ادا کریں۔ رضوان علی گھمن آپ کے پیغامات کے منتظر ہوتے ہیں۔

Facebook: Rizwan Ali Ghuman

Whatsapp: 0049 152 1122 9099